حقیقتِ قرآن

ایک جدید سائنسی جائزہ

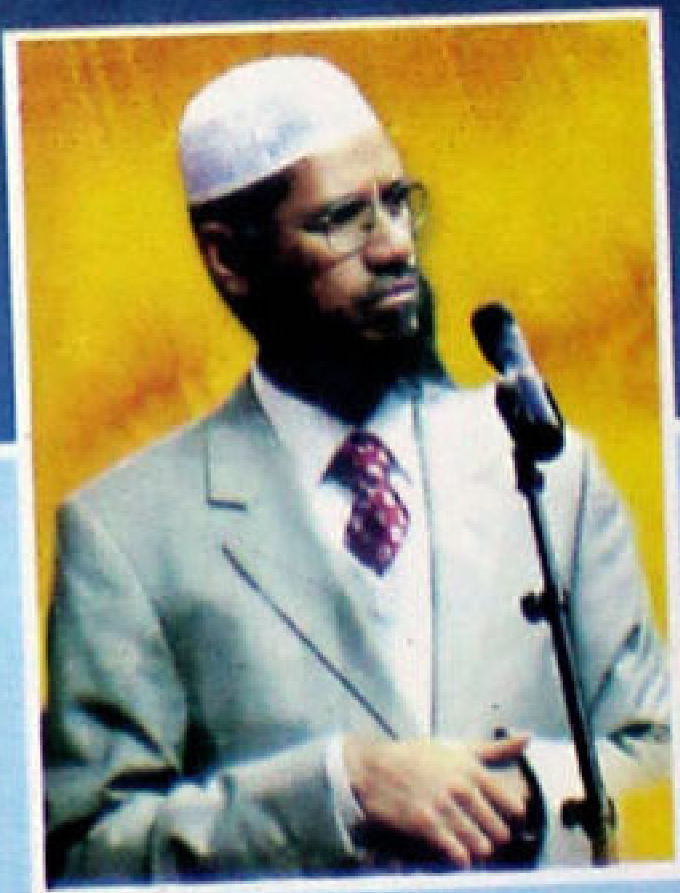

ڈاکٹر ذاکر نائیک

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقت قرآن

ڈاکٹر ذاکر نائیک

Marfat.com

نوٹ : ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ و معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس خامی یا غلطی کو دور کیا جائے۔ شکریہ! (ادارہ)

Marfat.com

حقیقتِ قرآن

ان لوگوں کے لیے خاص جو قرآن کریم یا حدیث کی ہر
بات بغیر سوچے سمجھے تصدیق اور تحقیق کیے بغیر مان لیتے
اور تبلیغ جہاد جیسے ناموں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم: زاہد کلیم

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حقیقتِ قرآن
مصنف	:	ڈاکٹر ذاکر نائیک
مترجم	:	زاہد کلیم
کمپوزنگ	:	میٹرکس کمپوزر
تعداد کتب	:	1000
موسمِ اشاعت	:	فروری 2009
مطبع	:	فیض الاسلام پرنٹرز، راولپنڈی

Rs: 140.00

زُمیل ہاؤس آف پبلیکیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph:051 - 5551519

اشرف بک ایجنسی

معیاری اور خوبصورت کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں: زاہد الرحمٰن (051-5551519)

Marfat.com

انتساب

عظیم ترین انسان

محمد ﷺ

کے نام

جن کے لب یوں محوِ دُعا رہے

اللھم ارنی حقائق الاشیاء کماھیی

(اے اللہ! مجھے اشیاء کی اصل حقیقت یوں دِکھا جیسی کہ وہ ہے۔)

Marfat.com

کچھ مترجم کے بارے میں

زاہد کلیم راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ وہ راولپنڈی کے علاقے چونترہ میں پیدا ہوئے۔ دورانِ تعلیم فیڈرل کالج سرسید کے مجلّہ ''سرسیدین'' کے مدیر رہے۔ بعدازاں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے انگریزی زبان وادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ 'جنگ'، 'پاکستان' اور 'دنیا' اخبارات میں ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اِن دنوں انگریزی زبان و ادب کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ وہ مذہب، فلسفہ اور ادبیات کے طالب علم ہیں۔

رابطہ: 0321-9505602

ای میل: azahidkaleem@gmail.com

Marfat.com

حسنِ ترتیب

باب 1.	حرفِ اوّل	09
باب 2.	حقیقتِ قرآن (سائنس کی نظر میں)	11
باب 3.	فلکیات	15
باب 4.	طبیعیات	25
باب 5.	آبیات	27
باب 6.	علم الارض	32
باب 7.	بحریات	35
باب 8.	نباتیات	41
باب 9.	حیوانات	44
باب 10.	علم طب	51
باب 11.	علم الافعال الاعضاء	53
باب 12.	جینیات	55
باب 13.	عمومی سائنس	71
باب 14.	اتمام حجت	74

حصّہ دوم

(سوالات و جوابات)

1۔	اللہ کے نزدیک معیارِ وقت	76
2۔	اللہ تعالیٰ کا سائنسی نکتہء نگاہ سے اثبات	78
3۔	تخلیقِ انسان کے بنیادی عناصر اور قرآن کی تصدیق	83
4۔	سائنس کی رُو سے تخلیقِ انسان......کیا اللہ خالق ہے؟	85

Marfat.com

5۔	قرآن اور بگ بینگ کا نظریہ......خلقِ کائنات کا اصل دورانیہ	89
6۔	قرآن اور پودوں میں تغیر جنس......افزائش ونمو کا معمہ	93
7۔	ڈارون کا نظریہ اور قرآن مجید کا نظریہء ارتقائے حیات	94
8۔	قرآن کی رو سے دل سوچتا ہے یا دماغ	99
9۔	عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش کی سائنسی توجیہ	102
10۔	قرآن میں موجود حقائق پر سائنس کی حیرت	105
11۔	تقدیرِ خداوندی اور جینیاتی حیلے	109
12۔	قرآن کی نظر میں اسقاطِ حمل	110
13۔	الکتاب میں علم وتدبر کی حوصلہ افزائی اور مسلمانوں کی پسماندگی	113
14۔	قرآن میں چار شادیوں کی اجازت اور ایڈز کا خطرہ	117
15۔	قرآن میں اللہ تعالیٰ کا لہجہ ''ہم یا میں''؟	120
16۔	قرآنِ مجید اور مصنوعی تنصیب اعضاء	121
17۔	لاش کا جلانا بہتر یا دفنانا	122
18۔	قرآن میں دو مشرق اور دو مغرب	124
19۔	آہن کی زمین پر موجودگی	125
20۔	فیثا غورثی فلسفہ اور قرآنی حقائق	127
21۔	قرآن مجید مکمل کتاب کی صورت میں تاخیر سے نازل ہُوا	128
22۔	کیا زمین قالین جیسی ہے؟	130
23۔	علمِ نجوم اور قرآن مجید	134
24۔	قرآن کی رُو سے AIDS سے بچاؤ	136
25۔	سائنس میں یومِ آخرت کا ثبوت	140
26۔	ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور قرآن مجید	143

Marfat.com

باب 1

حرفِ اوّل

ادارہ شعر و ادب اور دیگر متنوع موضوعات پر کئی کتب شائع کر چکا ہے۔ عصرِ حاضر میں ''مذہب شناسی'' کے روز افزوں رجحان کے پیش نظر اس امر کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ''اسلام'' یا دیگر مذاہب کے حوالے سے سنجیدہ اور اہم تر موضوعات کو بھی منظرِ عام پر لایا جائے۔

اِسی سلسلے کو ملحوظِ نگاہ رکھتے ہوئے ارشد ملک صاحب نے جو علمی موضوعات سے اپنی لگن کے باعث ایک وسیع حلقے میں جانے پہچانے جاتے ہیں' ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ذاتی طور پر رابطہ کر کے اُن کی معلومات افروز تقاریر کو تحاریر کا روپ دینے کا بیڑا اُٹھایا۔ بلاشبہ ایسی علمی دستاویز کا بارِ حفاظت اعلیٰ درجے کی علمی دیانت اور خلوص کا متقاضی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دقیق ترین موضوعات پر عام فہم، سبک اور رواں گفتگو کو دائرۂ قلم میں لانا ایسا کارِ آسان نہیں ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ

والذین جاھدو فینا لنھد ینھم سبلنا

(اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اُنہیں صحیح راستوں کی ہدایت دے کر رہتے ہیں۔)

انہی دنوں ادارہ زاہد کلیم سے متعارف ہوا جو اپنے علمی، ادبی اور فکری موضوعات کی بنا پر، اس اہم فریضے کی تکمیل کی صلاحیت سے بہرہ مند ہیں۔ مذکورہ کارِ خیر کے خواب کو تعبیر میں ڈھالنے کے لیے ادارہ نے ان کی خدمات حاصل کیں۔ اُنہوں نے انتہائی قلیل وقت میں بہترین ترجمہ کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

زنگارِ تہ بہ تہ کے اترنے کی دیر ہے
پر آئینے نکھارنے والا کوئی نہیں!

دراصل معمول بہ دین (Exercised Religion) اور دینِ واقعی (Actual Religion) میں ظلمت و نور جیسا فرق پیدا ہو چکا ہے۔

بعثتِ محمد ﷺ کے کچھ عرصے بعد ہی تصویرِ اسلام کے خدوخال میں جو اختلافی اور نزاعی رنگ اُبھر اُبھر آئے، انہیں مٹا کر عام مسلمانوں میں اصل دین کے حقیقی تصور کو اُجاگر کرنا احسن ترین اور نہایت اہم فریضہ تھا، جو بدقسمتی سے، مختلف ادوار میں چند ایک علمائے دین کی کاوشوں کی صورت میں محض ایک شعلۂ مستعجل ثابت ہوا۔ عصرِ جدید میں بین الاقوامی ''تعصبات'' کے پیشِ نظر صحیح تصورِ اسلام کی عکاسی بیش از بیش ضرورت کی حامل ہے۔

اس تناظر میں ادارہ ''ڈاکٹر ذاکر نائیک'' کا سلسلۂ کتب نہایت طمانیت، انبساط اور فخر سے متعارف کروا رہا ہے۔ اُمید ہے اہلِ نقد و نظر اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

زیرِ نظر کتاب میں ترجمے کی نازک ذمہ داری کو بطریقِ احسن نبھانے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اس کے باوصف اگر کوئی خامی یا سقم نظر آئے تو ازراہِ کرم مترجم کو آگاہ کر دیجیے تاکہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

اللہ عزوجل کے بعد قارئین ہمارے آخری منصف ہیں۔ قارئین کرام کی قیمتی آرا ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں..... آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔

طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

(ادارہ)

Marfat.com

باب 2

حقیقتِ قرآن

﴿سائنس کی نظر میں﴾

اس کرۂ خاکی پر ابتدائے حیات ہی سے انسان فطرت' نظمِ تخلیق اور زندگی کے مقصدِ اصلی کو سمجھنے کے لیے کوشاں رہا ہے۔ حقیقت کی اِسی تلاش میں جو کتنی ہی صدیوں اور متنوع تہذیبوں پر محیط ہے' ایک منظّم مذہب نے انسانی زندگی کی بامعنی تشکیل کی کوشش کی اور بڑی حد تک تاریخ کا رُخ متعین کیا۔ کچھ مذاہب کی بنیاد وہ تحریری متن تھا جو اُس کے ماننے والوں کے دعوے کے مطابق وحیٔ خداوندی کا ماحصل تھا جبکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں نے فقط انسان کے حسّی تجربہ ہی کو معیار ٹھہرایا۔

قرآنِ حکیم' جو عقیدۂ اسلامی کا مرکزی سرچشمہ ہے' اپنے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کے مطابق بنیادی اور کلی طور پر الہامی ہے۔ ہر مسلمان کا یہ ایمان بھی ہے کہ قرآنِ مجید میں تمام نوعِ انسانی کے لیے ہدایت موجود ہے۔ چونکہ پیامِ قرآنِ حکیم ہر وقت اور ہر زمانے کے لیے نازل ہوا پس اسے لازماً ہر وقت اور ہر زمانے کے پہلو بہ پہلو ہونا چاہیے مگر کیا قرآنِ حکیم اس معیار پر پورا اُترتا ہے؟

میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب میں' مسلمانوں کے اس عقیدے کا کہ قرآن وحیٔ الٰہی ہے' ایک معروضی جائزہ پیش کروں اور وہ جائزہ سراسر ثابت شدہ سائنسی انکشافات کی روشنی میں ہو۔

Marfat.com

دنیا کی تہذیبی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا تھا کہ معجزہ یا وہ شے جسے ہم معجزہ گردانتے ہیں، انسانی عقل اور منطق پر فوقیت رکھتا تھا۔ بلاشبہ معجزے کی عمومی تعریف واضح طور پر یہی ہے کہ ہر وہ شے یا واقعہ جو زندگی کے عمومی دھارے (Course) سے بالاتر پیش آئے اور انسان اُس کی وضاحت سے عاجز ہو، معجزہ ہے۔

تاہم، ہمیں کسی شے یا واقعے کو بطورِ معجزہ ماننے سے پہلے نہایت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ۱۹۹۳ء میں ''دی ٹائمز آف انڈیا، ممبئی'' کے مطابق ''بابا پائلٹ'' نامی ایک سادھو نے دعویٰ کیا کہ اُس نے پانی سے بھرے ایک ٹینک میں لگاتار تین دن اور تین راتیں گزاری ہیں۔ خیر، جب خبرنگاروں نے اُس ٹینک کی تہہ کا جائزہ لینا چاہا جس میں اُس نے یہ ''معجزانہ کارفرمائی'' کی تھی تو سادھو صاحب نے ایسے جائزے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ کوئی ایسے رحمِ مادر کا معائنہ کیونکر کر سکتا ہے؟ جس سے بچہ جنم لیتا ہے۔ بدیہی طور پر اُس سادھو کو ضرور کچھ چھپانا مقصود تھا۔ اُس کا دعویٰ محض شہرتِ عامہ کے حصول کے لیے مکر و فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔ یقینی طور پر جدید دور کا کوئی بھی فرد جسے ذرا سی بھی معقول طرزِ فکر کی ہوا لگی ہو ایسے معجزے کو ''معجزہ'' نہیں مانے گا۔ اگر ایسے جھوٹے معجزے ہی ''الٰہیات'' کا معیار ٹھہرے تو ہمیں دنیا بھر کے تمام مشہور ساحروں اور شعبدہ بازوں کو اُن کے جادوئی کرتبوں اور نظر فریبیوں کی بدولت، خالصتاً ''خدائی انسان'' "God-man" کی حیثیت سے ماننا پڑے گا۔

ایک کتاب، جو الٰہیاتی بنیادوں کے دعووں پر مبنی ہو، دراصل خود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہونے کی دعویدار ہوتی ہے۔ ایسے دعوے کو کسی بھی زمانے میں باآسانی قابلِ تصدیق اور حقیقی ہونا چاہیے اور اُسے اُسی زمانے کے مصدقہ معیارات کے مطابق نقد و نظر کی کٹھالی سے گزارا جائے۔

مسلمانوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم، اللہ کی طرف سے نازل کی گئی آخری اور حتمی وحی کی کتاب ہے اور ہر معجزے سے عظیم تر معجزہ ہے جو تمام نوعِ انسانی کی خاطر ''خیرِ کثیر'' کی صورت میں اُتری۔ دریں صورت، آئیں اس عقیدے کی صداقت و قطعیت پرکھتے ہیں۔

القرآن حکیم کا چیلنج

شعر و ادب، تمام ثقافتوں میں ہی انسان کے اظہار و احساسات اور تخلیقیت کے ذرائع رہے ہیں۔ تاریخِ عالم ایسے زمانے کی بھی شاہد ہے جب شعر و ادب ایسے مرتبہ، فخر و مباہات پر فائز تھے جو آج کل سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل ہے۔

غیر مسلم علماء بھی متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن نہایت اعلیٰ و ارفع سطح کا عربی ادب ہے اور تمام روئے ارضی پر قرآن حکیم عربی ادب کا بے نظیر شہ پارہ ہے۔ قرآنِ مجید میں بنی نوعِ آدم کے لیے صلاء عام (Challenge) ہے کہ اس جیسا کچھ بنا کر لائیں تو......

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله ص وادعوا شهدائکم من دون الله ان کنتم صدقین٥ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة ج اعدت للکفرین.

"اور اگر تمہیں اس میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا تو اس کے جیسی ایک سورہ ہی بنا لاؤ، اور بُلا لو اپنے سارے حامیوں کو، ماسوائے اللہ کے، اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے اور تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔"

[سورہ البقرہ، آیت 23 تا 24]

قرآنِ حکیم کا یہ چیلنج ہے کہ کوئی اس میں موجود سورتوں جیسی صرف ایک سورۃ ہی بنا کر دکھا دے۔ یہ صلائے عام یا چیلنج قرآن میں متعدد جگہوں پر دہرایا گیا ہے۔ اور یہ چیلنج کہ صرف ایک سورت ہی بنا لاؤ جو حسنِ فصاحت میں، قادر الکلامی میں، گہرائی اور گیرائی میں اور لطیف تر معانی میں قرآن کی کسی سُورت کی ذرا سی بھی ہمسری کر سکے، آج تک ایک کھلا چیلنج ہے جس کا جواب کسی سے بھی نہیں بن پڑا۔

Marfat.com

دورِ جدید کا کوئی بھی معقول شخص کسی بھی صورت میں ایسے مذہبی صحیفے کو ہرگز قبول نہیں کرے گا جس صحیفے میں چاہے کتنی ہی ممکنہ بہترین شعری زبان میں لکھا ہو کہ زمین مسطح، سپاٹ یا چپٹی ہے۔ بنابرایںکہ ہم ایسے دور میں سانس لے رہے ہیں جہاں انسانی تعقّل، منطق اور سائنس سند کا درجہ رکھتے ہیں، زیادہ تر لوگ قرآنی زبان کے محض غیر معمولی حسین تر اعجازِ بیاں کو من جانب اللہ ہونے کے ثبوت کے طور پر ناکافی سمجھیں گے۔ کسی بھی صحیفے کو جو الہیاتی ہونا کا دعویدار ہو، اپنے ادراک و تعقل اور منطق کے زور پر بھی خود کو منوانا ہوگا۔

مشہور طبیعیات دان اور نوبل انعام یافتہ البرٹ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ "سائنس بغیر مذہب کے لنگڑی ہے اور مذہب بغیر سائنس کے اندھا ہے۔" اس بنا پر ہم قرآن کا غائر مطالعہ کر کے جائزہ لیتے ہیں کہ آیا قرآن اور جدید سائنس باہم مطابق ہیں یا متصادم؟

قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، سائنز (Signs) کی کتاب ہے۔ سائنز سے مراد ہے آیات یا نشانیاں۔ قرآن چھ ہزار سے زیادہ سائنز یا آیات پر مشتمل ہے جن میں ایک ہزار سے زیادہ خالصتاً سائنس کے ٹھوس شواہد سے ربط و ضبط رکھتی ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سائنس اکثر اوقات اپنی ہی کلّی تکذیب کر دیتی ہے بالکل "U" کی شکل میں پھر کر اپنے ہی کہے کی نفی کر دیتی ہے۔ یہ ملحوظِ نگاہ رکھتے ہوئے میں نے اس کتاب میں سائنس کے صرف مصدقہ حقائق کو سامنے رکھا ہے اور مفروضوں، نظریوں سے صرفِ نظر کیا ہے بوجوہ کہ وہ محض فرض شدہ باتیں ہیں اور کسی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں۔

Marfat.com

باب 3

فلکیات

(Astronomy)

تخلیق کائنات (Big Bang)

تخلیقِ کائنات کی وضاحت فلکی طبیعیات کے ماہرین بگ بینگ (انفجارِ کبیر) سے کرتے ہیں۔ یہ مظہر (Phenomenon) وسیع پیمانے پر قبولیتِ عامہ کی سند پا چکا ہے۔ اسے اُس مشاہداتی و تجرباتی مواد سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے جو گذشتہ کئی عشروں میں فلکیات دان حضرات اور فلکی طبیعیات کے ماہرین نے جمع کیا ہے۔

بگ بینگ کے مطابق تمام کی تمام کائنات ابتدا میں ایک ضخیم تودے یعنی Primary Nebula کی صورت میں تھی۔ پھر ایک عظیم دھماکہ ہوا اور اس کے نتیجے میں کئی کہکشائیں وجود میں آئیں۔ پھر یہ کہکشائیں ستاروں، سیاروں، سورج اور چاند وغیرہ کی شکل میں تقسیم ہوتی چلی گئیں۔ کائنات کی ابتداء انتہائی منفرد انداز میں ہوئی۔ اتنی منفرد کہ اسے

علم فلکیات سائنس کی وہ شاخ ہے جو کائنات میں ستاروں' سیاروں اور پھیلے ہوئے مادی تغیرات کو اپنا موضوع بناتی ہے اور ان کی مبادیات (ابتدا) ارتقا' ترکیب خلقی' باہمی فاصلوں اور حرکت سے بحث کرتی ہے یہ مضمون انسانی تاریخ میں نہایت اہم رہا ہے۔ مسلمانوں نے علم فلکیات میں گرانقدر اضافے اور بالخصوص عربوں نے طلوع اسلام کے بعد تو وہ اجتہادی تحقیقات کیں جو بعد ازاں یورپی نشاۃ ثانیہ میں محرک علم کا عظیم سرچشمہ بنی رہیں۔ اوّل اوّل کے مسلمانوں کے سنہری دور عروج میں فلکیات بھی علم ہندسہ وہیئت اور عربی کی طرح ایک لازمی مضمون تھا جو شاملِ نصاب ہوا کرتا۔ مسلمانوں کے زوال کو دراصل صحیح طور پر بیان کیا جائے تو علمی زوال سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا۔ زوال کی اس گراوٹ میں اور بہت سے علوم کی طرح ''فلکیات'' بھی مردود ٹھہری البتہ یورپ میں آج تک نہایت مقبول علم ہے۔ اور ہماری ''حیرتوں'' کی حد تک ترقی پذیر ہے۔

فلکیات ہی کی ایک شاخ فلکی طبیعات ہے جو کائناتی مواد کی ساخت اور خصوصیات سے ربط وضبط رکھتی ہے۔ قرونِ اوائل میں تاریخ انسانی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جب خاص خاص نظریوں کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

''اتفاق'' یا chance سے تعبیر کرنا خارج از امکان ہے۔

قرآن حکیم میں ابتدائے کائنات کے حوالے سے درج ذیل آیت موجود ہے۔

اولم یر الذین کفروا ان السموٰت والارض کانتا رتقا ففتقنھما ط

(سورۃ 21 آیہ 30)

''کیا انکار کرنے والے دیکھتے نہیں کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔''

آیت قرآن حکیم میں اور بگ بینگ میں جو حیرت افزا یکسانیت موجود ہے اُس سے انکار ممکن نہیں۔ آخر کس طرح ایک کتاب جو 1400 سال پہلے عرب کے صحراؤں میں ظاہر ہوئی' ایسی عمیق سائنسی سچائی سے بھرپور ہے؟

کہکشاؤں کی تخلیق سے قبل' ابتدائی گیسوں کا گولہ

تمام سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات میں کہکشاؤں کی تشکیل سے پہلے کونیاتی مواد گیسوں کی صورت میں تھا۔ المختصر کہکشاؤں کی تشکیل سے پہلے گیسوں کا ایک ضخیم تودہ یا بادل موجود تھے۔ کائنات کے اس ابتدائی مادے کو یوں گیسوں کی نسبت ''دھواں'' قرار دینا زیادہ موزوں ہے۔ ذیل کی قرآنی آیہء مبارکہ کائنات کی اِس حالت کو ''دخان'' سے تعبیر کرتی ہے جس کے معانی ''دھواں'' ہی ہیں۔

ثم استوی الی السماء وھی دخانٌ فقال لھا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا ط قالتا اتینا طآئعین O (سورۃ 41 آیہ 11)

پھر وہ آسماں کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دُھواں تھا۔ اُس نے آسمان اور

(گذشتہ سے پیوستہ) پرچارک اپنے پیروکاروں کو سورج یا چاند کی روشنی سے محروم کر دینے کی دھمکیوں کے عوض مال وغیرہ ہتھیا لیتے اور قربان گاہوں پر انسانی جان و مال کا خوب خوب استحصال کیا جاتا۔ اس زمانے کے علم فلکیات سے آشنا لوگ سورج' چاند' ستاروں اور سیاروں وغیرہ کی حرکات وسکنات کا مطالعہ چار اہم مقاصد کی غرض سے کرتے جن میں تقویم یا کیلنڈر کی درستگی' راتوں کو یا سمندر میں سمت کا تعین، سورج گرہن اور چاند گرہن شامل ہیں۔

Marfat.com

زمین سے کہا وجود میں آ جاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں (آسمان اور زمین) نے کہا ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح۔

اور یہ حقیقت بگ بینگ کے عین مطابق ہے جس سے محمد (ﷺ) کی بعثت سے پہلے کوئی بھی آشنا نہ تھا۔ تب اُس زمانے میں ایسے حقیقی علم کا حصول کس ذریعہ سے ممکن تھا؟

زمین اپنی ساخت میں گول ہے

ازمنہء قدیم کے لوگ زمین کو مسطح یا چپٹی خیال کرتے تھے۔ صدیوں تک لوگ اِس ڈر سے دُور دراز کے سفر سے گریز کرتے کہ کہیں زمین کے ''کنارے'' سے گر ہی نہ پڑیں۔ سب سے پہلے سر فرانس ڈریک (Sir Francis Drake) نے 1597ء میں زمین کے گرد سمندری چکر لگا کر ثابت کر دکھایا کہ زمین گول یا کروی شکل کی ہے۔

دن اور رات کی آمد و شد کی بابت درج ذیل آیہء قرآنی پر غور کریں۔

الم تر ان اللّٰہ یولج الیل فی النہار ویولج النہار فی الیل

(سورۃ 31 آیہ 29)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہُوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔''

پرونے یا ضم کرنے سے یہ معانی متبادر ہوتے ہیں کہ رات آہستہ آہستہ اور بتدریج دِن میں ڈھلتی ہے اور اسی طرح دن، رات میں۔ ایسا فقط اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب زمین گول ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو دن اچانک رات میں ڈھل جاتا اور رات دفعتاً دن کا روپ دھار لیتی۔

ذیل کی آیہ مبارکہ بھی زمین کے گول یا کروی ہونے کی طرف بلیغ اشارہ ہے:

خلق السمٰوٰت والارض بالحق ج یکور الّیل علی النہار و یکور النہار علی الّیل (سورۃ 39، آیہ 5)

Marfat.com

''اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق (راستی' تناسب اور صحیح انداز) پر پیدا کیا۔ وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر۔''

یہاں عربی لفظ 'کوّرَ' کا استعمال ایک شے کو دوسری پر تہہ بہ تہہ چڑھانے یا دائرہ در دائرہ باندھنے کے معانی پر دلالت کرتا ہے جیسے بل در بل انداز میں پگڑی یا دستار سر پر باندھی جاتی ہے۔ یعنہٖ رات اور دن کو ایک دوسرے پر بتدریج اسی صورت میں لایا جا سکتا ہے جب زمین گول ہو۔

اب جب کہ زمین کسی گیند کے مانند پوری پوری گول نہیں ہے بلکہ نسبتاً کرّہ ارضی چپٹی یا مدوّر گول شکل کی ہے یعنی قطبین سے قدرے پچکی ہوئی ہے دیکھیے مندرجہ ذیل آیہء قرآنی میں زمین کی شکل یوں وضاحت سے بتائی گئی ہے۔

والارض بعد ذلک دحھا (سورہ 79، آیہ 30)

''اور پھر زمین کو اُس نے بچھایا۔''

اس جگہ عربی کے لفظ ''دَحھا'' کا مطلب شتر مرغ کا انڈہ ہے۔ شتر مرغ کے بیضے کی شکل زمین کی مدّور گول شکل کے متماثل ہے۔ اس طرح قرآن بالکل صحیح طور پر زمین کی شکل بیان کرتا ہے۔ اگرچہ نزولِ قرآن کے زمانے کا مروّجہ عقیدہ تو یہ تھا کہ زمین سپاٹ شکل کی ہے۔

چاندنی، منعکس ہونے والی روشنی ہے

قدیم تہذیبوں میں یہ عقیدہ عام تھا کہ چاند سے اُس کی اپنی روشنی پھوٹتی ہے۔ آج سائنس نے ہم پر آشکارا کیا ہے کہ چاند کی روشنی اپنی نہیں ہے بلکہ منعکس شدہ ہے۔ جبکہ یہ سچائی قرآنِ حکیم نے چودہ سو سال پہلے کھول کر بیان کر دی تھی۔

تبرک الذی جعل فی السماء بروجًا وجعل فیھا سراجًا و قمراً منیرًاO (سورۃ 25 آیہ 61)

''بہت برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں ایک

Marfat.com

چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔"

سورج کو عربی زبان میں "شمس" کہتے ہیں اِسے "سراج" یعنی مشعل بھی کہا جاتا ہے اور "وھاج" بھی جس کے معانی جلتے ہوئے چراغ کے ہیں۔ اِسے دیا بھی کہتے ہیں جس کا مطلب "اجلالِ تابش" قرار پاتا ہے۔ یہ تینوں کے تینوں عنوانات سورج کی بالکل موزوں تعبیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ سورج اپنے احتراق یا خود افروختگی (Combustion) کے ذریعے شدید حرارت اور بے پناہ روشنی پیدا کرتا ہے۔

چاند کو عربی میں "قمر" کہا جاتا ہے اور اسے قرآن حکیم نے "منیر" سے موصوف کیا ہے یعنی ایسا جسم جس کا وصف "نُور" یا منعکس شدہ روشنی دینا ہو۔ یہاں پھر قرآن مجید نے چاند کی صحیح ماہیت کو اظہر من الشمس کر کے رکھ دیا ہے کہ چاند خود یا اپنے آپ روشن نہیں بلکہ سورج سے روشنی لیتا اور زمین پر منعکس کرتا ہے۔ پورے قرآن حکیم میں ایک مقام پر بھی چاند کو "سراج' وھاج یا دِیا" نہیں کہا گیا اور نہ کہیں سورج کو نور یا منیر کے الفاظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کریم چاند کی چاندنی اور سورج کی ذاتی روشنی کی حقیقت میں واضح تفریق کرتا ہے۔

ذیل کی آیاتِ مبارکہ چاندنی اور سورج کے اُجالے سے تعلق رکھتی ہیں:

هو الذی جعل الشمس ضیآءً والقمر نورًا (سورة 10، آيه 5)

"وہی ہے جس نے سورج کو اُجالا بنایا اور چاند کو چمک دی۔"

الم تروا کیف خلق اللّٰہ سبع سمٰوٰت طباقًا ○ وجعل القمر فیھن نورًا وجعل الشمس سراجًا ○ (سوره 71، آيه 16-15)

"کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بر تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نُور اور سورج کو چراغ بنایا۔"

مذکورہ حوالوں سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآنِ مجید اور سائنس' چاند کی چاندنی اور سورج کی روشنی کی حقیقت پر بھرپور مطابق اور ہم آہنگ ہیں۔

Marfat.com

سورج گردش کرتا ہے[1]

ایک طویل عرصے تک یورپی فلاسفر اور سائنس دان اس عقیدے کے حامل رہے کہ زمین' کائنات کے مرکز میں ساکن کھڑی ہے اور دوسرے تمام فلکیاتی اجسام سورج سمیت اِس کے گرداگرد گردش کرتے ہیں۔ مغرب میں کائنات کا یہ ''زمین مرکزی'' تصور بطلیموس کے دو صدی قبل از مسیح سے زمانوں تک حقیقت تسلیم کیا جاتا رہا۔ بالآخر 1512ء میں نکولس کوپرنیکس نے سیاروں کی گردش کا ''شمس مرکزی'' نظریہ پیش کیا۔ جس کے مطابق سورج ساکن ہے اور نظامِ شمسی کا مرکز ومحور ہے جبکہ دیگر سیارے اس کے گرد محوِ گردش ہیں۔

1609ء میں جرمن سائنس دان یوہنس کپلر نے اپنی تحقیق ''اسٹرونومیا نووا'' (فلکیاتِ نجمِ نو) کے نام سے شائع کی۔ جس میں وہ حتمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچا کہ سیارے محض سورج ہی کے گرد بیضوی مداروں میں نہیں گھومتے بلکہ ایک غیر یکساں رفتار سے اپنے محور پر بھی محوِ گردش رہتے ہیں۔ اس نظریے کے سامنے آتے ہی یورپی سائنس دانوں کے لیے نظامِ شمسی کے درو بست کو واضح طور پر سمجھنے کے امکانات روشن تر ہونے لگے جس میں دن اور رات کی ترتیب کی وضاحت بھی شامل ہے۔

ان جدید دریافت شدہ علوم کے بعد بھی یہی تصور کیا جاتا رہا کہ سورج ساکن ہے اور زمین کے مانند اپنے محور پر گردش نہیں کرتا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بھی یہی افسانوی مغالطہ اپنے سکول کے دنوں میں علمِ جغرافیہ کی کتابوں میں پڑھا۔

اس حوالے سے قرآن کی درج ذیل آیہ مبارکہ کا بغور جائزہ لیں

وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر ط کل فی فلک یسبحون O (سورہ 21، آیہ 33)

''اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

---

1. اسلام میں پنجگانہ نماز کے اوقات ''سورج'' کی نظر آنے والی حرکت کے حوالے سے متعین ہیں۔ جب سورج عین سر پر یا نصف النھار پر ہو تو کسی بھی صلوۃ یا سجدے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ صائبین اور زرتشتی مذاہب کے پیروکار سورج کو دیوتا (god) تسلیم کرتے ہیں۔

یہاں استعمال کیا گیا عربی لفظ ''یسبحون'' لفظ ''سبحا'' سے مشتق ہے۔ یہ لفظ ایسے تصورِ حرکت سے عبارت ہے جو کسی متحرک جسم سے وابستہ ہو۔ اگر آپ یہ لفظ زمین پر متحرک کسی فرد کے لیے استعمال کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ شخص لڑھک رہا ہے بلکہ یہ مطلب ہوگا وہ چل رہا ہے یا دوڑ رہا ہے۔ اگر آپ یہ لفظ پانی میں متحرک شخص کے لیے استعمال کریں تو اِس کا یہ مفہوم نہیں ہوگا کہ وہ شخص پانی کی سطح پر بہے جا رہا ہے بلکہ اِس کے معانی یُوں ہوں گے کہ وہ شخص پیراکی کر رہا ہے۔

اسی طرح اگر آپ لفظ ''یسبح'' جب کسی جسمِ فلکی کے لیے استعمال کریں گے جیسے سورج تو اس کا مفہوم صرف یہی نہیں ہوگا کہ وہ خلا میں اُڑ رہا ہے (یا تیر رہا ہے) بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہوگا کہ وہ اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہا ہے۔[1]

بہت سی اسکول کی درسی کتب میں اس حقیقت کو شاملِ نصاب کر لیا گیا ہے کہ سورج اپنے گرداگرد بھی گردش کرتا ہے۔ ایسے آلات کی مدد سے بھی سورج کی ''اپنے گرد'' حرکت ثابت کی جا سکتی ہے جن سے سورج کا عکس کسی میز کی سطح پر دیکھا جا سکے تاکہ سورج کا مشاہدہ بینائی کے ضرر کے بغیر کیا جا سکے۔ دیکھا گیا ہے کہ سورج کی سطح پر دھبّے ہیں جو 25 دن میں اپنا ایک چکر پورا کرتے ہیں۔ یعنی سورج اپنے گرد ایک چکر تقریباً 25 دنوں میں مکمل کرتا ہے۔

سورج خلا میں اندازاً 240 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر رہا ہے اور یوں یہ ہماری ''دودھیا راہی'' کہکشاں کے مرکز کے گرد ایک دائرہ بھر گردش 200 ملین سالوں میں مکمل کرتا ہے۔

1609ء تک یعنی گلیلیو (Galileo) سے پہلے آسمانی یا فلکی تحقیقات و جستجو محض عام آنکھ ہی سے کی جاتی رہیں اب دوربین کی ایجاد نے سائنسی میدان میں انقلاب برپا کر رکھا ہے اور آئے دن نت نئے سیارے' Asteroids, comte دریافت ہو رہے ہیں' مریخ کی سطح پر آثارِ حیات کی تلاش کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔ امریکی ادارے (NASA) کی سرگرمی دیدنی ہے' پہلے پہل ننگی آنکھ ہی سے (Naked Eye) سیاروں وغیرہ کا مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ مشہور ہے کہ (Thales) طالیس نامی فلسفی نے ایتھنز میں 585 قبل از مسیح میں سورج گرہن کی صحیح پیشین گوئی کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق کولمبس نے امریکہ دریافت کرنے پر وہاں کے مقامی باشندوں (Red Indians) کو ''سورج گرہن'' کی آڑ میں جھکنے پر مجبور کیا تھا۔

Marfat.com

لاالشمس ینبغی لھآ ان تدرک القمر ولاالیل سابق النھار ط و
کل فی فلک یسبحون O (سورہ 36 آیہ 40)

''نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

مذکورہ آیت ایک انتہائی مضبوط سچائی کی عکاسی کرتی ہے۔ ایسی سچائی جو جدید طبعیات پر ماضی قریب میں منکشف ہوئی کہ سورج اور چاند کے اپنے اپنے جدا جدا مدار ہیں اس کے علاوہ وہ خلا میں بھی اپنی حرکت سے سفر کرتے ہیں۔

وہ مقررہ مقام' جس کی جانب سورج اپنے سارے نظامِ شمسی سمیت چلا جا رہا ہے' جدید فلکیات نے بالاخر دریافت کر ہی لیا ہے۔ اِسے ''سولر ایپکس'' یا ''راس الشمس'' کا نام دیا گیا ہے۔ دراصل نظامِ شمسی خلا میں ایک ایسے مقام کی جانب محوِ سفر ہے جو ''ہرکیولز'' نامی تارا منڈل یا ستاروں کے مجموعے میں واقع ہے۔ اب اس ''ہرکیولز'' (Alpha lyrae) کے محلِ وقوع کا صحیح تعین بھی ہو چکا ہے۔

چاند اپنے محور کے گرد اتنی ہی رفتار سے محوِ گردش ہے جس رفتار سے یہ زمین کے گرد اپنا چکر پورا کرتا ہے۔

چاند ایک چکر پورے 29.5 دنوں میں مکمل کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کی آیات کی سائنسی صداقت پر انسان انگشت بدنداں ہے کیا ہمیں اس سوال پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ آخر ''قرآن کا سرچشمہء علم ہے کیا؟''

سُورج بُجھ کر رہے گا

سائنس اور قرآن سے ثابت

سورج کی سطح پر جو کیمیائی عمل مسلسل گذشتہ پانچ کھرب سالوں سے جاری و ساری ہے اس سے سورج کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ آخرکار' کہیں مستقبل کے کسی لمحے میں یہ کیمیائی عمل ختم جائے گا۔ سورج مکمل طور پر بُجھ جائے گا۔ نتیجتاً حیاتِ ارضی معدوم ہو جائے گی۔

سورج کے وجود کی بے ثباتی کے حوالے سے قرآن کہتا ہے:

Marfat.com

والشمس تجری لمستقر لّھاط ذلک تقدیر العزیز العلیمO

(سورہ 36 آیہ 38)

''اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہُوا حساب ہے۔''

یہاں عربی لفظ مستقر استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد پہلے سے مقررہ مقام یا وقت ہے۔ یعنی قرآن بالتاکید کہتا ہے کہ سورج ایک مقررہ[1] مقام کی طرف گامزن ہے اور ایک طے شدہ وقت تک گامزن رہے گا۔ یعنی آخرِ کار ختم ہو جائے گا' بُجھ کر رہے گا۔

بین النجوم مادہ

منظم فلکیاتی نظاموں سے ماورا خلا کو پہلے پہل بالکل خالی یا تہی محض خیال کیا جاتا تھا۔ بعدازاں فلکی طبیعیات کے ماہرین نے خلا میں ستاروں کے مابین ایسے پُل دریافت کیے جنہیں ''پلازمہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ''پلازمہ'' ایسی مکمل برقی گیسوں پر مشتمل ہیں جن میں الیکٹران اور آئیونز برابر تعداد میں شامل ہیں۔ پلازمہ کو مادے کی چوتھی حالت بھی کہا جاتا ہے۔ (ہمیں علم ہے مادے کی دیگر تین حالتیں ٹھوس' مائع اور گیس ہیں۔)

قرآن مجید ستاروں کے درمیان پائے جانے والے اس مادے کی موجودگی کا ذکر ان الفاظ سے کرتا ہے۔

الذی خلق السموت والارض ومابینھما (القرآن: سورہ 25 آیہ 59)

''وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔''

یہ تصور بھی مضحکہ خیز ہے کہ کوئی ستاروں کے بیچ موجود مادے یعنی پلازمہ کے وجود سے، 1400 سال پہلے آگاہ تھا۔

پھیلتی ہوئی کائنات

1925ء میں ایک امریکی ماہرِ فلکیات ایڈوِن ہبل نے کہکشاؤں کے ایک دوسرے

1. جدید سائنس میں اس مقام کو Solar Apex سے موسوم کیا گیا ہے۔

سے دور ہوتے چلے جانے کا مشاہداتی ثبوت پیش کیا۔ جس کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ توسیعِ کائنات اب ایک مصدقہ اور مسلمہ سائنسی صداقت ہے۔

کائنات کی ماہیت کے بارے میں قرآن کا کہنا یہ ہے۔

والسماء بنینها بائیدٍ وانا لموسعون O(سورہ 51 آیہ 47)

''آسمانوں کو ہم نے تخلیق کیا اور ہم بلاشبہ اسے پھیلاتے جا رہے ہیں۔''

عربی زبان کے لفظ ''موسعون'' کا صحیح ترجمہ ''اِسے پھیلا رہے ہیں'' ہے۔ اس سے مراد کائنات میں مسلسل وسعت کی تخلیق ہے۔ فلکی طبیعیات کے مستند ماہرین میں سے ایک ''اسٹیفن ہاکنگ'' ہے وہ اپنی کتاب A Brief History of Time (وقت کی مختصر تاریخ) میں کہتا ہے کہ ''یہ دریافت کہ کائنات وسعت کی طرف مائل اور گامزن ہے، ۲۰ ویں صدی کے عظیم ترین ذہنی وفکری انقلابات میں سے ایک ہے۔''

جبکہ قرآن حکیم نے توسیعِ کائنات کی بات اُس زمانے میں کی جب انسان ابھی دوربین کی ایجاد تک نہ سیکھ سکا تھا۔

کچھ لوگ یہ نکتہء اعتراض اُٹھا سکتے ہیں کہ ''قرآن میں علمِ فلکیات کے حقائق کی موجودگی پر اچنبھا کیسا! جب اہلِ عرب فلکیات کے میدان میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔'' وہ لوگ بجا طور پر فلکیات کے علم میں عربوں کی مہارت اور فوقیت تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم وہ یہ حقیقت جاننے سے قاصر ہیں کہ فلکیات کے میدان میں عربوں کی کمال دستگاہ بعد میں ہوئی۔ قرآن حکیم صدیوں پہلے نازل ہو چکا تھا۔ مزید برآں مذکورہ حقائق مثلاً بگ بینگ یا انفجارِ کبیر سے ابتدائے کائنات جیسی سائنسی صداقتوں سے عرب کے لوگ تک بے بہرہ رہے۔ اُنہیں فلکیات میں سائنسی مہارت کے اوجِ کمال تک اِن باتوں کا پتہ نہ تھا۔ اِس لیے قرآنِ مجید کے بیان کردہ سائنسی حقائق کہیں علمِ فلکیات میں عربوں کی مہارت اور ترقی کے سبب سے ہرگز ہرگز نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس کہنا بجا ہوگا کہ عربوں نے فلکیات میں اِس لیے ترقی کی کہ فلکیات کا قرآن میں ایک اہم مقام ہے اور عربوں نے بلاشبہ قرآن سے استفادہ حاصل کیا۔

Marfat.com

باب 4

طبیعیات

(Physics)

ایٹم قابلِ تقسیم ہے

زمانہ قدیم میں ایک جانا پہچانا نظریہ، جسے ایٹمی نظریہ کہا جاتا تھا' مقبولِ عام تھا۔ اس نظریے کی ابتدا یونانیوں بالخصوص ایک یونانی فلسفی ''ڈیموکریٹس'' کی ذات سے ہوئی جو تقریباً 23 سو سال پہلے ہو گزرا ہے۔

ڈیموکریٹس اور اس کے متاخرین کا خیال تھا کہ مادے کا سب سے چھوٹا جزو ایٹم ہے۔ قدیم عرب بھی اِسی نظریے کو مانتے تھے۔ عربی زبان کا لفظ ''ذرّہ'' بالعموم ایٹم ہی کا مفہوم دیتا تھا۔ ماضی قریب میں جدید سائنس نے دریافت کیا کہ ایٹم کی مزید تقسیم بھی ممکن ہے۔ ایٹم کی مزید حصوں میں تقسیم' درحقیقت بیسویں صدی کی علمی پیش رفت ہے۔ چودہ صدیاں قبل' یہ تصور ایک عرب تک کو انتہائی عجیب وغریب اور غیر معمولی لگتا اِس لیے کہ عربوں کے خیال میں ذرّہ مادے کا سب سے چھوٹا جوہر یا ایٹم ہی تھا اور بس...... مزید تقسیم ناممکن تھی۔

طبیعیات سائنس کی اہم ترین شاخ ہے جو قابلِ مشاہدہ کائنات میں وسیع تر سطح پر مادّے کی کیفیات، خصوصیات اور تعاملات وغیرہ سے ربط وضبط رکھتی ہے۔ نیچرل فلسفہ اور طبیعیات کو مدتوں ہم معنیٰ سمجھا جاتا رہا لیکن یہ مغالطہء عام جدید دور میں تخصیصی بنیادوں پر رفع ہو چکا ہے۔ علم طبیعیات تمام علوم میں نہایت اہمیت کا حامل ہے البتہ فلکیات، کیمیا، جغرافیہ اور انجینئرنگ کو ایک واضح الگ علم کی حیثیت سے شناخت کیا جاتا ہے۔ یہ Compartenentalisation جدید علوم کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ طبیعیات مادی خواص کا غائر مطالعہ کرتے ہوئے نظامِ کائنات کی تفہیم میں انسان کے لیے سہولت پیدا کر رہی ہے۔ عہدِ قدیم میں انسانی فکر وتدبر کی وہ سرگرمی جسے بعد ازاں فلسفہ کا نام دیا گیا بالخصوص اسی علم کی مرہونِ منت ہے۔

Marfat.com

ذرّہ ہی آخری حد تھا۔

تاہم درج ذیل آیہءِ قرآنی اِس حد کو توڑ ڈالتی ہے۔

وقال الذین کفرو لا تاتینا الساعة ط قل بلی و ربی لتاتینکم لا علم الغیب ج لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوٰت ولافی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتب مبین ○

(سورہ 34 آیہ 3)

''منکرین کہتے ہیں کہ کیا بات ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آ رہی۔ کہو قسم ہے میرے غیب کا علم رکھنے والے پروردگار کی۔ وہ تو تم پر آ کر رہے گی۔ اُس ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہے نہ زمین میں' نہ ذرّے سے بڑی اور نہ اِس سے چھوٹی یہ سب کچھ ایک کتابِ روشن میں درج ہے۔''

وما یعذب عن ربک من مثقال ذرّةٍ فی الارض ولا فی السّمآء ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر الاّ فی کتٰبٍ مبینٍ○

(سورہ 10، آیہ 61)

''کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے' نہ چھوٹی نہ بڑی جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک کتابِ مبین میں (درج) نہ ہو۔''

مذکورہ بالا آیات اللہ تعالیٰ کے عالمِ کُل (موجود و غائب) ہونے اور ہمہ دانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور واضح کرتی ہیں کہ وہ ہر شے کا علیم ہے چاہے کوئی شے پوشیدہ ہو چاہے ظاہر۔ مزید برآں پتہ چلتا ہے کہ خدا ایٹم یا جوہر سے چھوٹی بڑی...... ہر شے سے آگاہ ہے۔ پس آیاتِ مذکورہ سے صاف صاف علم ہوتا ہے کہ ایٹم یا جوہر سے کوئی شے چھوٹی بھی موجود ہے۔ سائنس نے حال ہی میں یہ حقیقت دریافت کی ہے۔

Marfat.com

باب 5

آبیات

(Hydrology)

واٹر سائیکل یا آبی چکر

1580ء میں آبی چکر کا عصرِ حاضر کا تصور دینے والا پہلا شخص برنارڈ پیلسی تھا۔ اس نے بیان کیا کہ دریاؤں سے کس طرح پانی بخارات میں ڈھلتا ہے اور پھر سرد ہوتے ہوتے بادل کی شکل میں آتا ہے۔ گھٹائیں خشک جگہوں کی طرف اُڑتی آتی ہیں جہاں وہ اُوپر اٹھتی ہیں اور کثیف تر ہو کر بارش برساتی ہیں۔

یہ پانی جھیلوں اور ندیوں کی صورت میں جمع ہو کر واپس دریاؤں سے آ ملتا ہے اور یوں ایک مسلسل آبی چکر رواں دواں رہتا ہے۔

ساتویں صدی قبلِ مسیح میں طالیس (Thales) نامی فلسفی نے، جس کا تعلق ملیتس سے تھا، یہ نظریہ دیا کہ ہوائیں سمندر کی سطح سے پانی کے اُڑتے چھینٹے دُور خشکی پر لے جا کر برساتی ہیں۔ قدیم زمانے کے لوگوں کو زیرِ زمین پانی کے سرچشمے کا کوئی علم نہ تھا۔ وہ یہی سمجھتے

آبیات وہ سائنسی طرزِ تحقیق و جستجو ہے جو زمینی پانیوں کو اپنا موضوع ٹھہراتا ہے اسی میں آبی چکر اور تمام جاندار اشیا سے آبی چکر کا تعامل بھی شامل ہے جس میں پانی کسی مخصوص ہیت میں تقسیم ہوتا ہوا مناسب ترین پیمانے پر محوِ گردش رہتا ہے۔ ہائیڈرو میٹریالوجی Hydrometeorology اور ہائیڈرو میٹری Hydrometry اس کی ذیلی شاخیں ہیں جو بالترتیب بالائے زمین پانی (سمندروں، تالابوں وغیرہ کی سطح) اور زیرِ زمین پانی کی پیمائش اور "روییے" کو مرتب کرتی ہیں۔ روئے زمین پر پانی کا نظم و نسق اور ذرائع آب وغیرہ کے علاوہ آبپاشی کے نظام، پانی کے ذخیرے، تالاب، آلودہ پانی کا مسئلہ، ہائیڈرو پاور یا توانائی کے ڈھانچے، مچھلیاں اور پانی کا غیر ضروری تفریحی استعمال اور زمینی کٹاؤ بھی اس میں شامل ہیں۔

Marfat.com

رہے کہ دریاؤں کا پانی ہواؤں کے دوش پر خشک علاقوں میں جا گرتا ہے۔ یہ عقیدہ بھی عام تھا کہ پانی ایک خفیہ راستے یا عظیم تحت الغریٰ سے ہوتا ہوا سمندروں سے زمین تک آ رہتا ہے۔ یہ راستہ جو سمندروں سے جُڑتا تھا' افلاطون کے عہد سے ''ٹارٹرس'' کہلاتا تھا۔ حتیٰ کہ ڈیکارٹ تک جو اٹھارویں صدی کا عظیم مفکر تھا' اِسی نظریے کا پیرو تھا۔

انیسویں صدی تک ارسطو کا نظریہ ہی مروّج رہا جس کے مطابق پانی سردِ کوہساری غاروں میں گاڑھا اور کثیف تر ہوتا چلا جاتا اور اس سے زمین کی تہہ میں جھیلیں بنتیں اور بعد ازاں اسی جگہ سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں آج ہم اِس حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں کہ یہ بارش ہی کا پانی ہے جو قطرہ قطرہ رستے ہوئے زمین کی دراڑوں اور اندرونی تہوں تک جا پہنچتا ہے۔ یہی زمین کے اندر پانی کا سرچشمہ یا منبع بھی بنتا ہے۔

قرآن اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے۔

الم تر انّ اللّٰہ انزل مِن السّماء ماءً فسلکہٗ ینابیع فی الارض ثمّ یخرج بہٖ زرعًا مختلفًا الوانہٗ (سورہ 39 آیہ 21)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا۔ پھر اس پانی کے ذریعے سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں (رنگ) مختلف ہیں۔''

وینزّل من السّماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتھا ط انّ فی ذلک لاٰیٰتٍ لِقومٍ یّعقلون (سورہ 30، آیہ 24)

''اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد حیات بخشتا ہے یقیناً اس میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

وانزلنا من السّماء مآء م بقدرٍ فاسکنّٰہ فی الارض ق وانّا علٰی ذھابٍ م بہٖ لقٰدرون O (سورۃ 23، آیہ 18)

''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا، ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔''

Marfat.com

1400 سال قبل کی کوئی تحریر اس قدر مفصل صحت علم کے ساتھ واٹر سائیکل (آبی چکر) کی وضاحت نہیں کرتی۔

عملِ تبخیر

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ حکیم ہے کہ

والسّمآء ذات الرّجع O (سورة 86، آیہ 11)

''قسم ہے (لوٹانے والے یا) بارش برسانے والے آسمان کی۔''

(یعنی سمندروں اور دریاؤں کی سطح سے پانی تمازتِ آفتاب کے ذریعے بادل بنتا ہے اور پھر واپس بارش کی شکل میں زمین کی سمت لوٹ آتا ہے۔)

بادلوں کو بارآور کرتی ہوائیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وارسلنا الرّیح لواقح فانزلنا من السّمآء ماءً فاسقینکموہ ج

(سورہ 15 ایہ 22)

''اور ہم ہی ہواؤں کو بارآور بنا کر چلاتے ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تمہیں اس سے سیراب کرتے ہیں۔''

یہاں استعمال شدہ عربی لفظ ''لوَاقِح'' دراصل لاقِح کی جمع ہے جس کا ماخذ ''لقح'' ہے۔ جس سے مراد بارآور بنانا یا باردار کرنا ہے۔ اس تناظر میں (Impregnate) بارور بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہوائیں بادلوں کو دھکیلتی ہیں جس سے کثافت کو تقویت ملتی ہے۔ نتیجتاً بجلی کی کڑک چمک اور بارش ہوتی ہے۔ اسی نوعیت کی ایک اور آیہ مبارکہ قرآن میں موجود ہے۔

الـم تـر انّ اللہ یزجی سحابًا ثمّ یؤلّف بینہٗ ثمّ یجعلہ رکامًا فتری الـودق یخرج من خللہ ج وینـزلّ من السّماء من جبالٍ فیھا من

Marfat.com

بـردٍ فیصیب بہٖ من یشآء ویصرفهٗ عن مّن یّشاء ط یکاد سنا برقہٖ

یذهب بالابصار O (سورۃ 24، آیہ 43)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے اور پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے پھر اسے سمیٹ کر ایک ابر کثیف بناتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں، اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچاتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔''

اللّٰہ الّذی یرسل الرّیٰح فتثیر سحابًا فیبسطهٗ فی السّمآء کیف یشآء و یجعلهٗ کسفًا فتری الودق یخرج من خلله ج فاذا اصاب

بہٖ من یّشآء من عبادہٖ اذا هم یستبشرون O (سورہ 30، آیہ 48)

''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اُٹھاتی ہیں پھر وہ اِن بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔''

وهو الذین یرسل الرٰیح بشرا ؕ بین یدی رحمته ط حتی اذا اقلت سحابا ثقالاً سقنهٗ لبلد میت فانزلنا به المآء فاخرجنا به من کل

الثمرٰت ط (سورۃ 7، آیہ مبارکہ 57)

''اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے اور پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اُٹھا لیتی ہیں تو کسی مردہ زمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں بارش برسا کر (اسی مردہ زمین سے) طرح طرح کے پھل نکالتا ہے۔''

Marfat.com

یہ آیتِ ربانی ملاحظہ ہو:

وانزلنا من السّماء ماءً طهورًا ○ لنحیَ به بلدة میتاً.

(سورة 25، آیت 49-48)

''اور وہ آسمان سے پاک پانی اُتارتا ہے تا کہ اُس کے ذریعے ایک مردہ علاقے کو زندگی بخشے۔''

واللہ الذی ارسل الریٰح فتثیر سحابا فسقنٰہ الیٰ بلدٍ میتٍ فا حیینا به الارض بعد موتها ط کذٰلک النّشور ○ (سورة 35، آیت 9)

''وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ایک اُجاڑ علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اسی زمین کو موت کے بعد زندگی دیتے ہیں۔''

جدید دور کی سائنسی تحقیق اور قرآنِ حکیم میں کامل ہم آہنگی کئی اور آیات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ سائنس قرآن کی مکمل تائید کرتی ہے اور قرآن مجید سائنس کی ثابت شدہ سچائی پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔

Marfat.com

باب 6

علم الارض

(Geology)

پہاڑ زمین میں میخوں کے مانند گڑے ہوئے

زمین کی تہوں میں ''اُوپر تلے خم آ رہنا'' یا ''بل پڑنا'' ایسا مظہر ہے جو جدید سائنس نے کچھ ہی عرصہ قبل دریافت کیا ہے۔ یہی ''تہہ سازی کا عمل'' یا شکنیں اور سلوٹیں' کوہساری سلسلے تشکیل دیتے ہیں۔ زمین کے جس بالائی حصے پر ہم جی رہے ہیں ایک مضبوط خول کے متماثل ہے۔ جبکہ زمین کی نچلی تہیں نہایت گرم اور سیال مادے پر مشتمل ہیں۔ یوں یہ اندرونی تہیں کسی بھی طرح کے زندگی بخش ماحول سے سازگار نہیں ہوسکتیں۔ سائنس کے مطابق پہاڑوں کے استحکام کا دارومدار ''فولڈنگ'' یا بل پڑنے کے اسی مظہر پر ہے۔ کیوں کہ یہی ''بل یاخم'' زمین میں ایسی مادی گنجائش بناتے ہیں کہ پہاڑ تشکیل پاسکیں۔

ماہرینِ علم الارض ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا نصف قطر کم و بیش 6,035 کلومیٹر طویل ہے۔ جبکہ زمین کی جس بالائی سطح پر ہم سکونت پذیر ہیں' یہ تہہ درحقیقت نہایت مہین اور پتلی ہے جس کی موٹائی 2 سے 35 کلومیٹر کے درمیان ہوتی ہے۔ یعنی اِس بالائی سطح کی موٹائی مختلف جگہوں پر مختلف ہے۔ یہ بالائی سطح ارضی کا نہایت مہین ہے اس لیے بہت امکان ہے کہ

علم الارض سائنس کی وہ شاخ ہے جو زمین کی سطح پر وقوع پذیر (یونان لفظ "Geo" کا مطلب زمین ہ اور Graphein ''لکھنا'' کا ہم معنیٰ ہے) مادی، حیاتیاتی اور انسانی مظاہر کی ترتیب وترکیب سمیت ان کے باہمی تعاملات کو موضوع بناتی ہے۔ جغرافیہ یا علم الارض کو اک زمانے میں ''ام العلوم'' کہا جاتا تھا۔ بنیادی سبب یہ تھا کہ اس سائنس کا تعلق بالواسطہ تاریخ سے ہوتا ہوا فلکیات اور فلسفے تک جا پہنچتا ہے۔ نت نئے منطقوں کی دریافت اور زمینی نقشہ جات کی تدوین اسی علم کی مرہونِ منت ہے۔

Marfat.com

ہل کر زلزلے کی سی کیفیت پیدا کر دے۔ قشرِ ارض کے باسیوں کے لیے' پہاڑ زمین میں میخوں کی طرح پیوست ہو کر نوکدار کیلوں یا میخوں کا کردار ادا کرتے ہیں جو بالائی سطح ارض کے استحکام و استقلال کا سبب ہے۔ قرآن اس حقیقت کی ہو بہو تصویر یوں پیش کرتا ہے۔

الم نجعل الارض مھٰدًا O والجبال اوتادًا O (سورۃ 78، آیہ 7-6)

''کہ یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔''

عربی لفظ ''اوتاد'' کا مطلب ہو بہو میخیں یا گڑی ہوئی کیلیں ہیں۔ جیسے خیموں کی طنابیں ہوا کرتی ہیں۔ بعینہٖ پہاڑ زمینی تہوں کی Folds سے بھرپور بنیادوں کو استحکام دیتے ہیں اور یہ صورتِ خاکی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

دنیا کی بہت سی بڑی درسگاہوں میں ''زمین'' (Earth) نامی ایک کتاب نہایت مستند حوالہ جانی جاتی ہے۔ کتاب کے مصنفین میں سے ایک کا نام ڈاکٹر فرینک پریس ہے۔ موصوف امریکہ میں 12 سال تک اکادمی آف سائنسز کے صدر رہ چکے ہیں اور سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے سائنس کے مشیر بھی رہے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ کتاب میں پہاڑ کے لیے کلہاڑی کے نوکدار پھل تمثیل استعمال کی ہے۔ موصوف مصنف کے مطابق قشرِ ارض کو استحکام بخشنے میں پہاڑ پیش پیش ہیں۔

قرآن نہایت واضح انداز میں گویا ہے کہ پہاڑوں کا اصل مقصد زمین کو ہلنے سے بچانا ہے۔ ذیل کی آیہ مبارکہ ملاحظہ ہو۔

وجعلنا فی الارض رواسی اَن تمیدبھم (سورہ 21 آیہ 31)

''اور ہم نے زمین میں (پہاڑوں کے) لنگر جما دیئے ہیں تا کہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

قرآن حکیم کہیں اس طرح رُخِ حقیقت سے پردہ کشاں ہے۔

خلق السموت بغیر عمدٍ ترونھا والقیٰ فی الارض رواسی ان تمیدبکم (سورہ 31، آیہ 10)

''(پیدا فرمائے آسمان بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو اور اُس نے زمین میں پہاڑوں کو جما دیا تا کہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

Marfat.com

والقیٰ فی الارض رواسی ان تمیدبکم (سورة 16، آیہ 15)

''اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر رکھ دیئے تا کہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی واضح طور پر جدید علم الارض سے کلی مطابقت و موافقت رکھتی ہیں۔

پہاڑ نہایت مضبوط اور مستحکم انداز میں زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ زمین کی بالائی سطح بہت سی مضبوط تہوں میں منقسم ہے۔ یہ سطح اندازاً سو کلومیٹر موٹی ہے۔ یہ مضبوط اور سخت تہیں ایک ایسے سیال مادے پر تیر رہی ہیں جو جزوی طور پر پگھلا ہوا ہے۔ اِسے (Aesthenosphere) کہتے ہیں۔ انہی تہوں کے کناروں پر پہاڑوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ زیرِ آب (یعنی دریاؤں اور سمندروں کے نیچے) قشرِ ارض کی موٹائی 5 کلومیٹر ہے جبکہ خشک سطح ٹکڑے کے نیچے یہ موٹائی 35 کلومیٹر اور طویل کوہساری سلسلوں تلے یہ موٹائی 80 کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ پہاڑ انہی نہایت مضبوط بنیادوں پر اُستوار کھڑے ہیں۔

قرآنِ حکیم پہاڑوں کی انہی مضبوط اور مستحکم بنیادوں کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔

والجبال ارسٰہا o (السورة 79، آیہ 32)

''اور بنایا پہاڑوں کو زمین کا لنگر۔''

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات حتمی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ پہاڑوں کی ماہیت اور فعالیت سے متعلق جس قدر آیات قرآن مجید میں شامل ہیں، وہ نہ صرف علمِ ارض کے عین موافق و مطابق ہیں بلکہ متذکرہ سائنس کی اصولی رہنمائی بھی کرتی ہیں۔

Marfat.com

باب 7

بحریات

(Oceanology)

شیریں اور نمکین پانیوں کے درمیان دیوار

قرآنِ حکیم کی شیریں بیانی کی ملاحت ایک کائناتی صداقت ہے، ملاحظہ ہو

مرج البحرین یلتقیٰن ٥ بینھما برزخ لا یبغیٰن (سورہ55، آیہ20-19)

''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔''

عربی زبان میں لفظ برزخ کے معنی دیوارِ حد بندی یا تقسیم (جُدا، جُدا) کے قرار پاتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد کوئی مادی یا مرئی تقسیم ہرگز نہیں۔ عربی کے لفظ ''مرجا'' کے حرف بحرف معانی یوں ہیں کہ ''وہ دونوں ملتے اور باہم ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔'' اولین مفسرین حضرات اس کی ''باہم ملنے اور مدغم ہونے کے ساتھ ساتھ درمیان میں حد بندی کے معاملے'' کی تاویل سے یکسر قاصر تھے۔ جدید سائنس نے یہ انقلابی حقیقت منکشف کی ہے کہ جہاں دو ذائقوں کے حامل سمندر باہم مدغم ہوتے ہیں وہیں ان کے درمیان ایک حد بندی کی

---

1. دریا یا Ocean یونانی لفظ Okeanos کی شکل ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کے نمکین کھارے پانیوں نے زمین کا قریباً تین چوتھائی حصہ ڈھانپ رکھا ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کے سائنسی مطالعے کو Oceanology یا اوشنا گرافی (Oceanography) کہا جاتا ہے۔ یہ علم سمندروں کے مادی، کیمیائی اور حیاتیاتی تعاملات کی تحقیق و تفتیش پر مشتمل ہے اور جغرافیائی، جیوکیمیکل عمل کے مطالعے کے ساتھ ساتھ سمندروں میں ارتقاء و تغیرات کے عوامل کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ مزید برآں گلیشیر Tsunami سمیت زمین کی مجموعی آب و ہوا کے تعین میں معاون ہے۔ سمندری حیاتیات کی بوقلمونی اور زمین کی ساخت پر اثر انداز ہونے والے آبی عوامل کا سائنسی مطالعہ بھی اس علم کی ذیل میں آتا ہے۔

Marfat.com

دیوار بھی قائم رہتی ہے جس سے شیریں پانی شیریں ہی رہتا ہے اور نمکین پانی جدا اپنی نمکینی قائم رکھتا ہے۔ یہ برزخ یا حد بندی کی دیوار دونوں پانیوں کو جُدا جُدا کیے رکھتی ہے تا کہ ہر سمندری دھارا اپنا درجہء حرارت، نمکیاتی سطح یا ملاحت اور کثافت برقرار رکھتے ہوئے بہے۔
(ملاحظہ ہو''بحریات کے اصول'' از ڈیویس' صفحہ 93-92)

دانایانِ بحریات اب آیہء مذکورہ بالا کی بہتر توجیہہ کر سکتے ہیں۔ یہی اصل تفسیر ہے۔ دو سمندری دھاروں کے پانی کے درمیان ایک پانی کا ہی نادیدہ پردہ حائل ہو جاتا ہے جس سے ہو کر ایک دھارے کا پانی دوسرے میں جا شامل ہوتا ہے۔ مگر یہ عجیب نکتہ آفریں سلیقہ ہے کہ جب ایک سمندر کا پانی اُس ''برزخ'' سے گزر کر دوسری طرف کے دھارے میں جا ملتا ہے تو اُس پانی کی اپنی ساری امتیازی خصوصیات معدوم ہو جاتی ہیں اور یہ دوسری طرف کے پانی سے کلی طور پر خصائص اور ماہیت میں یکجان ہو رہتا ہے۔ گویا ایک طرح سے یہ دیوارِ حد بندی یا برزخ پانی کی قلبِ ماہیت کا سامان مہیا کرتی ہے۔

اسی مظہر کی طرف ذیل کی آیہء مبارکہ قرآنِ حکیم کی کائناتی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔

وجعل بين البحرين حاجزاً ط (سورہ 27، آیۃ 61)

''اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے۔''

یہ مظہر کئی جگہوں پر وقوع پذیر ہوتا ہے جن میں جبرالٹر کے مقام پر بحیرۂ روم اور بحرِ اوقیانوس کا سنگم نمایاں طور پر واضح ہے۔ ایک سفید دھاری پانی کی پٹی کا واضح نظارہ جنوبی افریقہ کے علاقے جزیرہ نما کیپ (Cape) میں بھی کیا جا سکتا ہے جو بحرِ اوقیانوس اور بحرِ ہند کا مقامِ اتصال ہے۔

مگر جب قرآنِ حکیم میں شیریں اور کھارے پانیوں کا ذکر ہوتا ہے تو دونوں کے مابین ایک تقسیم کنندہ حد یا پردے کی رکاوٹ بھی مذکور ہوتی ہے جو بدیہی طور پر ایک ''مانع دیوار'' یا ''ممنوعہ علاقہ'' سے عبارت ہے۔

وھوالذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج ج

وجعل بینھما برزخاً و حجراً محجورًا O (سورہ 25، آیۃ 53)

"اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے ایک لذیذ و شیریں اور دوسرا تلخ و شور اور اِن دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے،ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔"

جدید سائنس نے یہ مصدقہ انکشاف کیا ہے کہ سمندروں کا وہ دہانہ جہاں تازہ و شیریں اور نمکین پانی باہم ہوتے ہیں' اُس جگہ کی نسبت بہت حد تک مختلف صورتِ احوال کا عکاس ہے' جہاں کھارے پانیوں کے سمندروں کا سنگم ہوتا ہے۔ دریافت ہوا ہے کہ وہ شے جو سمندری دہانوں میں تازہ پانیوں کو نمکین پانیوں سے الگ اور متمیز رکھتی ہے وہ پکنو کلائن زون (Pycnocline Zone) ہے اور یہی اپنی کثافت کے مختلف ہونے کے باعث پانیوں کی دونوں اقسام کی علیحدگی کی اصل وجہ ہے۔ اس تقسیم کار کی کثافت دونوں طرح کے پانیوں کی کثافت سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ اس طرح دونوں طرح کے پانیوں کے درمیان ایک ضروری فاصلہ برقرار رہتا ہے۔

مذکورہ مظہر کئی جگہوں پر واقع ہوتا ہے جیسے مصر میں جہاں دریائے نیل، بحیرۂ روم میں آن گرتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں موجود ان سائنسی مظاہر کی تصدیق ڈاکٹر ولیم نے بھی کی ہے جو نہ صرف علومِ بحریہ کے ایک مشہور و معروف سائنس دان ہیں بلکہ امریکہ کی کولوراڈو یونیورسٹی میں ارضیاتی علوم کے پروفیسر کی حیثیت سے شعبہء تدریس و تحقیق سے بھی منسلک ہیں۔

سمندر کی گہرائیوں میں موجود تاریکی

پروفیسر درگاراؤ کی بحری ارضیات پر دستگاہ عالمگیر ناموری کے باعث مسلمہ ہے۔ وہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی آف جدہ میں پروفیسر کے طور پر خدمت کناں ہیں۔ اُن سے جب درج ذیل آیہء قرآنی کی بابت استفسار کیا گیا

Marfat.com

او کظلمٰت فی بحر لجی یغشٰه موج من فوقه موج من فوقهٖ سحاب ط ظلمٰت بعضها فوق بعض ط اذا اخرج یدهٗ لم یکد یرٰها ط ومن لم یجعل الله لهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِن نور O (سورہ24، آیہ40)

''یا پھر اِس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک تاریک موج چھائی ہوئی ہے اس کے اوپر ایک موج اور اس کے اوپر ایک اور بادل، تاریکی پر تاریکی مسلّط ہے۔ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اللہ جِسے نُور نہ بخشے، اُس کے لیے پھر کوئی نُور نہیں۔''

پروفیسر راؤ کے مطابق جدید سائنسی آلات کی اعانت سے ہم حال ہی میں مصدقہ طور پر یہ جاننے میں کامیاب رہے ہیں کہ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں گہری تاریکی موجود ہے۔ انسان سائنسی آلات کی مدد کے بغیر سمندر میں ہرگز ہرگز 25 یا 30 فٹ کی گہرائی سے زیادہ نہیں جاسکتا۔ اور سمندر کے ایسے گہرے منطقوں میں تو زندہ رہنا محال ہے جو 200 میٹر یا اس سے زیادہ گہرائی میں ہوں۔ اس آیت کا انطباق ہر سمندر پر نہیں ہوتا بخاطر اینکہ ہر سمندر لہر در لہر بھرپور تاریکی کا حامل نہیں ہے۔ آیتِ مذکورہ کا موضوع یقینی طور پر کوئی خاص گہرا سمندر یا دریا ہی ہوسکتا ہے۔ جیسے قرآن پاک کا بیان ہے کہ ''عمیق ترین سمندر کی تیرگی'' جو لہر در لہر یا موج در موج ہے۔ یہ تہہ دار یا موج در موج تاریکی کسی گہرے دریا میں دو وجوہات کے باعث ہوسکتی ہے۔

اوّل روشنی کی ایک کرن یا شعاع قوس قزح کے سات رنگوں کا مرکب ہوتی ہے۔ یہ سات رنگ بنفشی، کاسنی، نیلا، سبز، زرد، مالٹائی اور سُرخ ہیں۔[1] پانی کی سطح سے ٹکرانے پر روشنی کا انعطاف ہوتا ہے۔ پانی کی بالائی دس سے پندرہ میٹر کی گہرائی میں سرخ رنگ جذب ہوتا ہے۔ چونکہ سرخ رنگ 15 میٹر سے آگے پانی میں دکھائی ہی نہیں دیتا، اس لیے کسی بھی زخمی غوطہ خور کو سمندر کی 25 میٹر گہرائی میں ہرگز اپنا خون نظر نہیں آسکے گا۔ 30 سے 50 میٹر کی گہرائی تک مالٹائی رنگ بھی چشمِ انسانی سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ 50 سے 100 میٹر تک زرد رُخصت ہوتا ہے۔ 100 سے 200 میٹر گہرائی تک سبز

1۔ مصنف نے مذکورہ رنگوں کی بصراحت وضاحت انگریزی ناموں کی مدد سے بھی کی یعنی (وائلٹ، انڈیگو، بلو، گرین، ییلو، اورنج اور ریڈ۔ جنہیں بسہولت حافظے میں محفوظ رکھنے کے لیے ان کے پہلے حروف تہجی سے لفظ Vibgyor وضع کیا گیا ہے۔)

اپنی رنگت سے محروم ہو جاتا ہے بالآخر 200 میٹر سے پرے نیلا دکھنا بند ہوتا ہے پھر بنفشی اور کاسنی کے مفقود ہونے کی باری آتی ہے گویا سمندر میں لہر در لہر گہرائی میں جاتے چلے جانے سے تاریکی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالالفاظِ دیگر یکے بعد دیگرے رنگوں کے غائب ہونے سے موج در موج سمندر تیرہ و تاریک ہوتا جاتا ہے یعنی آخرکار روشنی کا نام ونشان تک نہیں رہتا اور ایک ہزار میٹر کی گہرائی میں محض تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔

دوم بادل، سورج کی کرنیں خود میں جذب کر لیتے ہیں۔نتیجتاً روشنی کی شعاعیں بالوں پر سے منعطف ہوتی ہیں۔اسی لئے بادلوں کا نچلا حصہ تیرہ و تار ہوتا ہے۔ یہ تاریکی کی پہلی پرت یا موج ہے۔ اور جب یہی کرنیں سمندر کی سطح سے ٹکراتی ہیں تو عملِ انعطاف واقع ہوتا ہے۔اور لہریں سمندر کی سطح پر چمکنے دمکنے لگتی ہیں۔لہٰذا یہ سمندر کی لہریں ہی ہیں جو روشنی کی کرنیں منعطف کر کے ،بکھیر کے سمندروں کی گہرائی میں تاریکی کا باعث بنتی ہیں۔اس عمل میں، روشنی کا وہ حصہ جو انعطاف پذیر نہیں ہوتا وہ سمندری پانی میں داخل بھی ہو رہتا ہے۔ یوں سمندر کے دو حصے ہوئے ایک بالائی حصہ جو چمکدار اور روشن ہونے کے ساتھ ساتھ گرم بھی ہے اور ایک اُس سے نیچے والا حصہ جہاں تاریکی ہی تاریکی موجزن ہے۔ بالائی حصے اور نچلی تہہ کے بیچوں بیچ سمندر کی موجیں ہی رواں دواں ہیں مگر یہ درمیان کی موجیں ایک خطِ تقسیم سے عبارت کی جاسکتی ہیں۔سمندر کی اندرونی موجیں سمندر کے گہرے پانیوں کو ڈھانپے رکھتی ہیں۔ کیونکہ سمندر کی گہرائی میں موجود پانی کی کثافت (Density) بالائی حصے کے پانی کی نسبت زیادہ اور شدید ہوتی ہے۔ پس تیرگی اندرونی لہروں میں ہی سفر آغاز کرتی ہے۔

سمندر کی ایسی اتھاہ گہرائی میں مچھلیاں بھی دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ وہ صرف اپنے بدن سے خارج شدہ روشنی ہی پر انحصار کرتی ہیں۔

قرآن پاک اِس مظہر کو اپنے جامع و بلیغ پیرائے میں یوں سموتا ہے۔

Marfat.com

او کظلمات فی بحر لجی یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ط ظلمت ظلمات بعضھا فوق بعض ط(سورہ 24 آیۃ 40)

''اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک اور موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔''

باالفاظ دیگر ان لہروں کے اوپر اور مختلف قسم کی لہریں ہیں یعنی روشنی کو جذب کر سکنے کی مختلف صلاحیتوں کی حامل سطح کے قریب کی بالائی لہریں جو گہرائی والی لہروں سے متفرق ہیں۔ مزید ارشاد ہے کہ ''اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی'' جس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ یہ بادل اور امواج ایک دوسرے پر پیہم رکاوٹیں یا پردے ہیں۔ کیونکہ ہر خاص لہر میں رنگوں کے انجذ اب یا استرداد کی جداگانہ صفت پائی جاتی ہے۔ اس طرح آخری رنگ تک کے جذب ہو رہنے کے بعد باقی سمندر کی گہرائی میں محض تاریکی رقص کناں ہے۔

پروفیسر درگاراؤ نے جو نتائج مستنبط کیے وہ حسب ذیل ہیں۔

''1400 سال پہلے یہ کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اتنے مفصل انداز میں اس مظہر کائنات (یعنی آبی دور اور سمندر کی گہرائی کا صحیح ترین تجزیہ) کی توجیہہ وتوضیح کر پاتا لازمی طور پر یہ معلومات کسی مافوق الفطرت ذریعے سے میسر آئیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کیا ہے

''**وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً و صھرا ط وکان ربک قدیرا O**(سورۃ 25، آیۃ 54)

''اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے۔ تیرا رب عظیم قدرت والا ہے۔''

کیا چودہ سو سال قبل کوئی انسان اندازاً بھی بتا سکتا تھا کہ ہر جاندار مخلوق پانی سے خلق ہوئی۔ مزید برآں کیا عرب کے صحراؤں سے اٹھنے والا کوئی فرد کہہ سکتا تھا کہ زندگی کی آفرینش اور نمو پانی سے ہوئی ہے؟ عرب کے لق ودق صحرا، جہاں پانی نہایت ہی قلیل مقدار میسر تھا۔

Marfat.com

باب 8

نباتات

(Botany)

پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوا کرتے ہیں

قدیم عہد کا انسان اِس بات سے مطلق جاہل تھا کہ پودوں میں بھی جنس کا تصور اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ البتہ علم نباتیات ہمیں آگاہی دیتا ہے کہ پودوں میں بھی تذکیر و تانیث کی اصناف (Sexes) پائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ پودے تک جو ایک جنس کے (Unisexual) حامل ہوتے ہیں ان میں بھی نر اور مادہ کے جداگانہ اوصاف موجود ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے

وانزل من السماء ماءً فاخرجنا به ازواجا من نبات شتیO

(سورۃ 20، آیۃ مبارکہ 53)

''اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی''

(''ازواجاً لفظ کا بنگاہ غائر مطالعہ بتاتا ہے کہ اِس سے جوڑا، جوڑا کا مفہوم صاف طور پر متفرع ہوتا ہے)

حیاتیات کی وہ شاخ جو نباتات کی ساخت، خصوصیات اور ان میں بائیوکیمیکل تعاملات سے بحث کرتی ہے۔ یہ علم پودوں کی درجہ بندی، اُن کی بیماریوں اور ماحولیاتی مطابقتوں یا عدم مطابقتوں کو بھی موضوع بناتا ہے۔ پودے حیاتِ انسانی کا لازمی جزو ہیں، پہلے وقتوں میں پودوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔ انسان پودوں سے متعدد ذرائع سے مستفید ہوتا چلا آیا ہے۔ خوراک، لباس، (قدیم دور میں) گھر، دوائیں، زیورات اور اوزار، ہتھیار بھی اُن کا نہایت اہم استعمال رہے ہیں۔ پودے ''جادوئی اسرار'' کے حامل بھی سمجھے جاتے تھے۔

Marfat.com

پھلوں میں بھی نر اور مادہ کی تفریق

القرآن حکیم کی معنوی قدرت ملاحظہ ہو

ومن کل الثمرٰت جعل فیها زوجین اثنین (سورۃ 13، آیۃ 3)

''اُس نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے۔''

ثمر یا پھل ہر اعلیٰ نسل پودے کی حتمی پیداوار ہوتی ہے۔

البتہ پھل لانے سے پہلے کا مرحلہ پھولوں کا ہوتا ہے جن میں نر اور مادہ اعضا پائے جاتے ہیں جنہیں Stamens اور Ovules کہا جاتا ہے۔ جب زردانے (Pollans) پھولوں تک پہنچتے ہیں تو پھول ثمر میں ڈھلنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً یہ پھل پک کر بیج کی تجسیم کرتے ہیں۔ درایں صورت، تمام پھلوں میں جنس کی واضح تفریق موجود ہے اور یہی بیّن حقیقت قرآن حکیم اِن الفاظ میں اجاگر کرتا ہے۔

جعل فیها زوجین اثنین (سورۃ 13، آیۃ مبارکہ 3)

''پیدا کیے اُن میں جوڑا، جوڑا''

گو کہ پھلوں کی بعض خاص نوعیت کی اقسام اِس قاعدے سے الگ بھی ہوتی ہیں اور پھل یا ثمر غیر بارآور پھولوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں جیسے کیلا، بعض اقسام کے اناس، انجیر، نارنگی اور انگور وغیرہ میں پولن یا زردانے گرانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ ایسے پھلوں کے گروہ کو Parthenocarpic Fruit سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تاہم ان میں بھی ایک طرح کی جنسی خصوصیات بہر حال موجود ہوتی ہیں۔

ہر شے کی جوڑے کی شکل میں تخلیق

قرآن حکیم فرقان مبین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ومن کل شیءٍ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (سورۃ 51، آیۃ 49)

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے تا کہ تم سبق لو''

اِس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ''ہر شے'' کی بابت کہا ہے کہ وہ جوڑوں کی صورت میں ہے۔اس کی ذیل میں انسان، جانور، پودوں اور پھول پھل کے علاوہ بجلی بھی ہو سکتی ہے جس میں منفی اور مثبت بار رکھنے والے الیکٹران ہیں۔علاوہ ازیں دیگر کئی اقسام کے جوڑے مراد ہو سکتے ہیں۔

ایک مقام پر ارشادِ خدائے تعالیٰ ہے کہ

سبحن الذی خلق الازواج کلها مماتنبت الارض و من انفسهم و مما لایعلمونO (سورۃ 36، آیۃ مبارکہ 36)

''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے بنائے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوعِ انسانی) میں سے یا اُن اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔''

کس شرح و بسط سے خدائے بزرگ و برتر نے بیان کیا ہے کہ ہر شے جوڑوں کی شکل میں پیدا ہوئی ہے۔ان میں وہ بھی شامل ہیں جن سے آج کا انسان آگاہ تک نہیں بہت ممکن ہے آئندہ زمانے کا انسان ان چیزوں کو دریافت کر لے۔

Marfat.com

باب 9

حیوانیات

(Zoology)

﴿جانوروں اور پرندوں میں معاشرتی آبادکاری کی حس﴾

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ العزیز ہے:

وما من دآبۃٍ فی الارض ولا طٰئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ط

مافرطنا فی الکتٰب من شیءٍ ثم الی ربّھم یحشرونO (سورۃ 6، آیۃ 38)

''زمین پر چلنے والے کسی جانور اور پروں سے ہوا میں اُڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں اور ہم نے ان کے نوشتۂ تقدیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

تحقیق بتاتی ہے کہ جانور اور پرندے گروہی زندگی گزارتے ہیں۔ یعنی وہ منظم انداز میں، مل جل کر اپنی زندگی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ نہایت روشن انداز میں پرندوں کی اس ''سائنسی زندگی'' کو برس ہا برس پہلے یعنی 1400 سال پہلے بیان کرچکی ہے۔

حیاتیات کی وہ شاخ جو جانوروں کی ساخت اور ان کے طرزِ حیات کا مطالعہ کرتی ہے۔ قبل از اسلام اس علم پر بنیادی اور اہم کام کرنے کا سہرا ارسطو کے سر ہے۔ آج علمِ حیوانات مزید اجزا میں تقسیم ہو چکا ہے جن میں سائٹولوجی، ایمبریالوجی، مارفولوجی، فزیالوجی، پیتھالوجی، ٹیکسونومی، اینتھولوجی، ایکولوجی اور زوجیوگرافی نہایت اہم ہیں۔

Marfat.com

پرندوں کی اڑان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

الم یرو الی الطیر مسخرت فی جوّ السماء ط مایمسکھن الا اللہ ان فی ذلک لایت لقوم یومنونO (سورة 16، آیة 79)

''کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں۔ اللہ کے سوا انہیں کس نے تھام رکھا ہے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں۔''

پرندوں ہی کے ضمن میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا۔

اولم یرو الی الطیر فوقھم صفت و یقبضن ط ما یمسکھن الا الرحمن ط انه بکل شیءٍ م بصیرO (سورة 67، آیة مبارکه 19)

''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے؟ رحمٰن کے سوا اُنہیں کون تھامے ہوئے ہے۔ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

عربی کے لفظ ''امسک'' کا مطلب ہے ''اپنا ہاتھ رکھ کر کسی شے کو پکڑ لینا، روک لینا یا پیچھے کھینچنا تاکہ وہ شے توازن میں رہے'' جس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ ہی پرندوں کو طاقت پرواز بخشتا ہے وہی فضاؤں میں انہیں سہارے ہوئے ہے (اپنی قوت سے)۔ یہ آیات قرآنی پرندوں کی پرواز کے نظم و قوانین کہ قانونِ خداوندی کے تحت ہونے پر شدت سے زور دیتی ہیں۔ جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں کھلا کہ کچھ پرندے اپنی نقل و حرکت میں ایک طے شدہ پروگرام پر کلی طور پر عمل پیرا ہیں۔ یہ امر باعث حیرت نہیں کہ بعض ایسے پرندے جنہیں نہ تو پہلے طویل اڑانوں کا کوئی تجربہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی رہنمائی ہوتی ہے، کس طرح ایسے پیچ در پیچ دور دراز راستوں پر ایک مخصوص منزل کی طرف کامیابی سے محو پرواز ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اُن کے جینیاتی نظم و انضباط میں موجود ایک موروثی پروگرام کی

کارفرمائی ہے۔ وہ متعینہ وقت پر اپنی طویل اڑان کے بعد اپنی خاص جگہ واپس بھی لوٹ آتے ہیں جہاں سے وہ اڑتے ہیں۔ یہ بتمام وکمال اُن کی جینیاتی نظم وضبط کی کارکردگی ہے۔ کوئی قوت تو یقیناً ہے جو انہیں اس رہنمائی سے مزین کرتی ہے؟

پروفیسر ہیمبر گراپنی کتاب ''قوت وضعف'' (Power and Fragility) میں ''مٹن برڈ'' نامی ایک پرندے کی مثال دیتے ہیں جو بحرالکاہل میں پایا جاتا ہے۔ یہ مٹن برڈ ''8'' کے ہندسے جیسے پر پیچ فضائی راستوں پر 24,000 کلومیٹر کا سفر 6 ماہ میں مکمل کر کے اپنے نکتہ آغاز سفر تک آن پہنچتا ہے اور اس آدھے سال کے عرصے سے محض ایک ہفتہ کم وبیش دیر سویر کرتا ہے۔ یقیناً اِس پرندے کے اعصابی خلیوں میں پیچیدہ ہدایات کا ایسا نظام رواں دواں ہے جس کی رہبری میں یہ اپنا سفر طے کرتا ہے۔ یقیناً ان پرندوں میں ایک مستقل ہدایاتی Programme موجود ہے اور اب جب یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ ایک پروگرام موجود ہے تو کوئی تو ہے جو اُن کی ہستی کا یہ نظام، یہ پروگرام چلا رہا ہے، جس نے مرتب کیا ہے کیا یہ امر ہمیں دعوتِ فکر وتدبر نہیں دیتا؟

یقیناً اللہ ہی زمین وآسمان کی ہر شے کا رب ہے، وہی کل کا مالک وصانع ہے۔ خدائے قدیر ہی ''فاطرِ اعلیٰ'' ہے۔

شہد کی مکھی......اس کی سلیقگی اور مہارت

قرآن الحکیم میں ہے

واوحی ربک الی النحل ان اتّخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا ط یخرج من م بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ط ان فی ذلک لایة لقوم یتفکرون ○ (سورۃ 16، آیۃ 68-69)

''اور دیکھو تمہارے ربّ نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چڑھائی ہوئی بیلوں میں، اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا

Marfat.com

رس چوس، اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں میں چلتی رہ۔ اس (مکھی) کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو تفکر کرتے ہیں۔"

شہد کے مکھیوں کے طرز زندگی اور ابلاغ باہمی پر مجمل تحقیق کرنے والے وان فرش کو اسی بنا پر نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ وان فرش نے شہد کی مکھیوں کے باہمی روابط، نظم و انقیاد اور تمدن پر ایک سیر حاصل تحقیق کی۔

شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا نیا پھول دریافت کرتے ہی واپس لوٹ کر آتی ہے اور ساتھی مکھیوں کو اپنی نئی دریافت کے بارے میں نہ صرف آگاہ کرتی ہے بلکہ انہیں وہاں تک پہنچنے کا صحیح راستہ اور متعینہ نقشہ بھی بتلاتی ہے۔ اس عمل کو "مگس رقص" یا Bee Dance کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی جسمانی حرکات وسکنات کی ایک خاص ترتیب سے نئی دریافت شدہ "شکارگاہ" کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

یہ انکشاف، فوٹوگرافی اور دیگر جدید ترین سائنسی آلات کی بدولت بالا آخر ایک طویل عرصے کی تحقیق کے بعد ممکن ہوا۔

قرآن مجید، مذکورہ بالا آیۃ مبارکہ میں اِس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ کیسے ایک شہد کی مکھی اپنے سلیقہ و مہارت سے اپنے خالق و مالک کے وسیع و عریض راستوں میں اڑتے گھومتے، اپنا رزق پالیتی ہے۔ دراصل یہ اسی خالق و مالک کی بخشی ہوئی استعداد سے مستفیض ہوتی ہے۔ "فاسلکی" اور "کلی" عربی میں صیغہ تانیث ہیں۔ گویا "سپاہی" یا "کارکن" ہمیشہ مادہ مکھی ہی ہوتی ہے۔

درحقیقت، ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے "ہنری چہارم" میں بھی کچھ کردار شہد کی مکھیوں کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہد کی مکھیاں سپاہی ہیں اور ان کا ایک بادشاہ ہے۔ جس کے احکام کی بجا آوری "سپاہی مکھیوں" کا فریضہ ہے۔ یہ شیکسپیئر کے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ "کارکن" مکھیاں نر ہیں جو اپنے بادشاہ کو جواب دہ ہوتی ہیں، یہ بہرحال ایک خیال خام ہے، حقیقت نہیں ہے۔ شہد کی کارکن مکھیاں "مادہ" ہوتی ہیں اور کسی بادشاہ کی بجائے ایک

''ملکہ مگس'' کی رعایا کے طور پر منظم انداز میں کام سرانجام دیتی ہیں۔ لیکن یہ جدید تحقیق و تفتیش پچھلے تین سو سالوں میں اس قابل ہو سکی کہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کرے۔

مکڑی یا عنکبوت کا جالا...... نازک ترین گھر

اللہ جل وشانہ کا قرآن حکیم میں فرمان ہے۔

مثل الذی اتخذو من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت ج اتخذت بیتا ط وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت ج لو کانو یعلمون O (سورۃ 29، آیۃ مبارکہ 41)

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لئے ہیں، ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے اور سبھی گھروں سے بڑھ کر کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش انہیں علم ہوتا۔''

مہین تاروں کے خانہ عنکبوت کا ذکر کرتے ہوئے، مذکورہ بالا آیۃ میں صرف اس کی ساخت ہی کو نہایت ناپائیدار، شکستنی اور کمزور و نازک نہیں کہا گیا بلکہ قرآن مجید مکڑی کے گھر میں باہمی رشتے کو بھی حد درجہ ناپائیداری سے تعبیر کرتا ہے جس میں اکثر و بیشتر مکڑی اپنے ساتھی مکڑے کو مار ڈالتی ہے۔

اِسی مثال سے ان لوگوں کے باہمی رشتے کی غیر استواری اور ناپائیداری بھی واضح ہوتی ہے جو ناموس دین و دنیا کی خاطر اللہ کے ماسوا سے (جو صریحا کفر ہے) اُمیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے یقیناً اگر کوئی جائے پناہ ہے تو وہ تار ہائے عنکبوت جیسی ہے۔

چیونٹیوں کا طرزِ زندگی اور باہمی ابلاغ اور دلچسپ معلومات

القرآن کی ذیل میں درج آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو۔

وحشر لسلمین جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون O

حتی اذا اتوا علی واد النمل لا قالت نملة یا ایھا النمّل ادخلوا

مسکنکم لا یحطمنکم سلیمٰن و جنودہ لا وھم لایشعرون٥

(سورۃ 27، آیۃ مبارکہ 18-17)

''سلیمانؑ کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔ (بوقتِ کوچ) یہاں تک کہ یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی کہنے لگی ''اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ مبادا کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر تک نہ ہو۔''

زمانہ گزشتہ میں کچھ لوگوں نے شاید قرآن کو جنوں پریوں کے افسانے سمجھ کر اس بات کو مضحکہ خیز گردانا ہو کہ یہ کتاب تو ایسی بے سروپا کہانیوں پر مشتمل ہے جن میں چیونٹیاں ایک دوسرے سے بات چیت کرتی اور سنجیدہ پیغامات پہنچاتی ہیں۔ بہرحال جدید تحقیق سے چیونٹیوں کے بارے میں ایسے کئی حقائق منظر عام پر آئے ہیں جو پہلے وقتوں کے لوگوں کے سان گمان میں بھی نہ تھے۔ یہ سائنسی انکشافات حال ہی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کہ وہ طرز زندگی جو جانوروں اور دیگر حشرات ارضی میں دیکھا گیا ہے، فقط چیونٹیوں کا ہے جو انسانی سلیقہ حیات سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔

چیونٹیوں کے اس رہن سہن کو جو انسانی تمدن سے قریب تر ہے، درج ذیل تحقیقی نکات واضح تر کرتے ہیں۔

(ا) چیونٹیاں اپنے مردہ ساتھیوں کو بالکل انسانوں کی طرح زمین میں دفن کرتی ہیں۔

(ب) ان میں بھی تقسیم محنت کا ایک باقاعدہ نظام موجود ہے جو منتظمین (Managers)، نگہداران (Supervisors)، افسران بالا (Foremen) اور کارکنوں (Workers) وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ سب اپنے اپنے دائرہ کار میں مخصوص فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں۔

(ج) کبھی کبھار سرِ راہے چلتے پھرتے وہ ایک دوسرے سے مل کر باقاعدہ بات چیت بھی کرتی ہیں۔

Marfat.com

(ہ) ان میں باہم گفتگو اور بات چیت کے لئے نہایت ترقی یافتہ نظامِ ابلاغ موجود ہے۔

(ہ) چیونٹیاں باقاعدگی سے ایک جائے خرید و فروخت (market) کا اہتمام کرتی ہیں جہاں[1] وہ ایک دوسرے سے اجناس و اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

(و) چیونٹیاں موسمِ سرما کی خوراک یعنی اناج وغیرہ کا ایک لمبی مدت تک کے لئے ذخیرہ کرتی ہیں۔ اور جہاں اِن اناج کے دانوں یا بیجوں سے پودے اگنے لگیں وہیں فوری طور پر وہ ان کی جڑوں کو کاٹ ڈالتی ہیں۔ گویا وہ یہ بات بخوبی جانتی ہیں کہ اگر یونہی ان بیجوں یا دانوں کو اگنے دیا گیا تو ان کی ''اصل خوراک'' کہیں گل سڑ جائے گی۔

اگر اِن کا ذخیرہ شدہ اناج بارشوں کی نذر ہو کر گیلا ہو جائے تو وہ اسے دھوپ میں سکھانے کے لئے ڈال دیتی ہیں مگر جونہی دانے خشک ہوتے ہیں وہ انہیں جلدی سے واپس اپنے بلوں میں لے جانے کو دوڑتی ہیں جیسے انہیں اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے کہ اگر دانے کھلی فضا میں پڑے رہے تو نمی سے نشوونما پا کر پودے جننے لگیں گے ان کی جڑیں پیدا ہونے لگیں گی اور یوں ''خوراک'' گل سڑ جائے گی۔

---

1. جیسے عہدِ عتیق میں انسانوں کے درمیان Barter System مروج تھا۔

باب 10

علم طب

(Medicine)

﴿شہد انسانوں کے لئے شفا ہے﴾

شہد کی مکھی اِدھر اُدھر ہر جگہ سے طرح طرح کے پھولوں پھلوں سے رس کشید کر کے اپنے جسم میں شہد تیار کرتی ہے۔ بعدازاں وہ اس شہد کو اپنے چھتے کے مومی خانوں میں محفوظ کر چھوڑتی ہے۔ ہمیں صرف دو صدیاں قبل ہی اس حقیقت کا ادراک ہوا ہے کہ شہد مگس کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ مگر علو قرآن ملاحظہ ہو کہ قرآن نے اِس حقیقت کی خبر چودہ صدیاں قبل دے دی۔ یہ آیۃ مبارکہ دیکھیں۔

یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ط ان فی ذلک لایة لقوم یتفکرون O (سورۃ 16، آیۃ مبارکہ 69)

"اِس مکھی کے (پیٹ کے) اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ یقیناً اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔"

انسانی بدن کو بہترین حالت میں قائم رکھنے کا علم جو صحت، پرہیز اور علاج معالجے کی عملی دستاویز فراہم کرتا ہے۔ WHO یعنی World Health Organisation کی عالمگیر تعریف کے مطابق "صحت محض بیماری کا نہ ہونا ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں فرد مکمل طور پر جسمانی، ذہنی اور معاشرتی حوالے سے تندرست و توانا ہو۔" اس طرح پاکستان میں تو ابھی تک مجموعی صورتحال میں WHO کو ?Who ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ شاید جون ایلیا نے اِسی روحانی و جسمانی طور پر مضمحل صورتحال پر یوں شعری احتجاج کیا۔

یہ بستی ہے مسلمانوں کی بستی
یہاں کارِ مسیحا کیوں کریں ہم؟

Marfat.com

جبکہ ہمیں حال ہی میں اس حقیقت کا علم ہوا ہے شہد میں شفا بخش خصوصیات بھی موجود ہے۔ اور یہ اوسط درجے کا (دافع عفونت) انٹی سیپٹک بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روس کے سپاہی اپنے زخموں پر پٹیاں باندھتے ہوئے شہد کو بطورِ مرہم استعمال کرتے تھے۔

شہد کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ زخم میں کسی قدر نمی برقرار رکھتا ہے اور اندمال کے بعد زخم کی جگہ کوئی بدنما داغ باقی نہیں رہتا۔ شہد کے گاڑھے پن کے باعث اس میں پھپھوندی لگنے یا جراثیم کی نمو کے امکانات نہایت کم ہو جاتے ہیں۔

انگلینڈ میں ایک عیسائی راہبہ Carol نے سینے اور ایشمز کے بائیس (22) مریضوں کا علاج Propolis کی مدد سے کیا۔ یہ مریض ناقابل علاج قرار دیئے جا چکے تھے۔ پراپلس ایسا مادہ ہے جو شہد کی مکھیاں غنچہ ہائے گل سے تیار کرتی ہیں اور اسے بیکٹیریا جیسے جرثوموں سے محفوظ ''گھر'' کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

اگر کسی شخص کو کسی مخصوص پودے سے الرجی ہو تو اُسے، اسی پودے سے حاصل شدہ شہد دینے کی صورت میں الرجی کے خلاف قوت مزاحمت حاصل ہو جاتی ہے۔ شہد میں فرکٹوز نامی گلوکوز اور وٹامن بھی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

وہ حقیقت جو قرآن کتنی ہی صدیوں قبل آشکارا کر چکا، ہم بہت بعد میں جان پائے کہ شہد کہاں سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی اصل خصوصیت ہیں کیا؟ کیا یہ امر بھی ہمیں دعوتِ غور و تدبر نہیں دیتا۔

Marfat.com

باب 11

علم الافعال الاعضاء

(Physiology)

نظامِ دوران خون اور دودھ

نزول قرآن حکیم مسلمان سائنس دان ابن نفیس کے عمل نظام خون کی تشریح سے چھ صدیاں قبل ہوا تھا۔ جبکہ نزول قرآن کے ایک ہزار سال (Millenium) بعد مغربی سائنس دان ولیم ہاروے نے نظام دوران خون کی بابت لب کشائی کی۔

جب تحقیق حاضرہ سے معلوم ہوا کہ کسی طرح غذا جزو بدن بننے سے پہلے آنتوں میں ہضم ہوتی ہے، اور بعدازاں جسم کے دیگر اعضاء کونشوونما دیتی ہے۔ تو اِس سے لگ بھگ تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید کی ایک آیۂ مبارکہ یہ واضح کر چکی تھی کہ دودھ کے اجزا کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ بہرحال سائنسی تحقیق کے نتائج حیرت انگیز حد تک قرآن کے مطابق ہیں۔

مذکورہ بالا نظریات اور قرآن حکیم کے فرمودات کی باہمی مماثلت کی تفہیم سے پہلے یہ جان لینا سودمند ہوگا کہ آنتوں میں کیمیائی تعاملات کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ کون سے عمل سے غذا کے کچھ اجزا آنتوں سے ایک پیچیدہ مگر مرتب نظام کے ذریعے

حیاتیاتی علوم کی وہ شاخ جو جاندار اجسام کی شناخت اور ترتیب وترکیب سے بحث کرتی ہے۔ یہ لفظ دراصل یونانی الاصل ہے جسے Theophrastus نے "Ana temein" یعنی (عملِ جراحی کے طور پر) ''کاٹ دینے'' کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قدیم عہد کے لوگوں نے اس علم کو قرار واقعی توجہ نہیں دی وہ محض انسانی بدن کو خوف اوہام اور عجیب وغریب روحوں کا مسکن تصور کر کے خارجی کائنات میں کھوئے رہے۔ البتہ حیات بعدالموت جیسے تصورات اور خواب ''اناٹومی'' کی دریافت کا سبب ضرور بنے۔

Marfat.com

دوران خون میں شامل ہوکر جسم کے مختلف حصوں تک جا پہنچتے ہیں۔ البتہ دیگر غذائی اجزاء جو اپنی کیمیائی ترکیب میں جداگانہ ہیں وہ جگر کے توسط سے خون میں شامل ہوتے ہیں۔ ایک مربوط و مقررہ نظام کے ذریعے، خون اِن غذائی عناصر کو دودھ پیدا کرنے والے غدود سمیت تمام اعضائے جسم تک پہنچاتا ہے۔

سادہ الفاظ میں یوں کہنا بجا ہوگا کہ خوراک کے بعض اجزاء آنتوں کی دیواروں سے رستے ہوئے بدن بھر میں پھیلی خون کی باریک شریانوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور نظام دوران خون کے مطابق پورے بدن میں پھیل جاتے ہیں۔ ہم نظام قدرت کے اس اشکال کی گرہ کشائی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں اگر ہم درج ذیل قرآنی آیۃ مبارکہ کو سمجھنے کی مخلص کوشش کریں۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ ط نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصا سا ئغاً للشربینO (سورۃ 16، آیۃ مبارکہ 66)

''اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے، ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے۔''

ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا

وان لکم فی الانعام لعبرہ ط نسقیکم مما فی بطونھا و لکم فیھا منافع کثیرۃ ومنھاتا کلونO (سورۃ 23، آیۃ21)

''اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اِسی میں سے ایک چیز ہم تمہیں پلاتے ہیں۔ ان میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔''

مویشیوں سے حاصل ہونے والے دودھ اور دیگر فوائد کی نسبت جو کچھ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے مفصل بتایا جدید علم افعال الاعضاء کی تحقیقات حیران کن حد تک اُس کا اثبات کرتی ہیں۔

Marfat.com

باب 12

جینیات

(Embrylogy)

مسلمانوں کی علمی جستجو

یمن کے ممتاز عالم شیخ عبدالمجید ازندانی کی سربراہی میں مسلمان دانشوروں کے ایک گروہ نے جستجوئے علم جینیات کا پرچم اٹھایا۔ یہ علمی تگ و تاز سراسر علم جینیات (Genetics) کے بارے میں قرآن مجید اور مستند ترین احادیث سے حاصل کی گئی معلومات پر مبنی تھی۔ دیگر سائنسی علوم کے بارے میں بھی قرآن وحدیث سے علم جمع کیا اور یہ ساری معلومات انہوں نے انگریزی زبان میں منتقل کر کے قرآن کریم کی درج ذیل آیۃ مبارکہ کی پیروی میں قدم اٹھایا اور اہل دانش سے فیض پانے نکلے۔

ومآ ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحیٓ الیھم فسئلوآ اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (سورۃ 16، آیۃ مبارک 43)

"(اے محمدؐ) ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے، آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے۔ اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود علم نہیں رکھتے۔"

علم جینیات عمل توارث بالخصوص حیات آفرین جرثوموں کے مطالعے کا علم ہے۔ مختصر تعریف میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ علم ہے جو تولیدی جراثیم کی فعالیت اور نظامِ تولید میں ان کے اگلی نسل تک انتقال کو موضوع بحث ٹھہراتا ہے۔ جدید ماہرین جینیات اس امر کا دلچسپی سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ تولیدی جرثومے کہاں تک انسانی ساخت کی بناوٹ اور خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ بالخصوص DNA کوڈ کا انسانی شناخت، نشوونما اور کلوننگ میں کیا مقام ہے؟

Marfat.com

جب تمام کی تمام قرآن حکیم اور غیر متنازعہ احادیث سے اخذ شدہ جینیات کی معلومات انگریزی میں ترجمہ ہو چکیں تو انہیں پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر کیتھ مور (Keith Moore) یونیورسٹی آف ٹورنٹو کینیڈا میں جینیات کے پروفیسر اور شعبۂ علم افعال الاعضا (Anatomy) کے صدر (Chairman) ہیں۔ وہ دورِ حاضر کے جینیات کے مقتدر اور مستند ترین علما میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ قرآن وحدیث سے جمع شدہ علم پر اپنی رائے دیں۔ سارے علمی مواد کو بنظرِ غائر پڑھ کر ڈاکٹر کیتھ مور نے کہا کہ قرآن وحدیث میں جینیات سے متعلق علم کا بیشتر حصہ جدید دور کی جینیاتی میدان میں ترقی اور انکشافات سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ ان دونوں میں کہیں کوئی اختلاف نہیں۔ بہرحال انہوں نے مزید کہا کہ ''کچھ آیات ایسی ہیں جن کے بارے میں تاحال وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر ہیں۔ اور وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مذکورہ آیات سائنسی معیارات کی رو سے صحیح ہیں یا غلط کیونکہ وہ خود ابھی اپنی سائنسی مسافت میں ان سنگ ہائے میل تک پہنچے ہی نہیں اور حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں۔ قرآن وحدیث کی یہ معلومات جدید جینیاتی تحقیق ومطالعہ سے کہیں آگے ہیں۔''

ایک آیت ملاحظہ ہو

اقرا باسم ربک الذی خلق○ خلق الانسان من علق○

(سورۃ 96، آیۃ 1,2)

''پڑھو (اے محمدؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، (جس نے) جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔''

یہاں عربی کا لفظ ''علق'' استعمال ہوا ہے جس کے معانی جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کے علاوہ ایسی شے کے ہیں جو چمٹ جانے والی ہو۔ جیسے جونک چمٹ جاتی ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور کو پتہ نہ تھا کہ جنین کی ابتدائی حالت رحمِ مادر میں جونک سے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے انہوں نے نہایت باریک خوردبینوں کی مدد سے رحمِ مادر میں جنین کی ابتدائی شکل کا معائنہ کیا اور موازنہ کیا کہ آیا یہ واقعی جونک کی شکل سے مشابہ ہے یا نہیں مگر بالآخر وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ جنین کی ابتدائی شکل اور جونک کے خاکے میں حیران

Marfat.com

کن مشابہت موجود ہے۔ قرآن مجید کی صدہا سال قبل کی معلومات اور زمانہ حاضر کی تحقیقات ہو بہو یکساں پائیں گئیں۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے قرآن و حدیث سے مزید معلومات حاصل کیں جو جدید جینیات کو حاصل نہ تھیں اور قرآن و حدیث میں موجود مواد کے متعلق اسی (80) سوالات کے صحیح جوابات دیئے۔ پروفیسر کیتھ مور نے خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جینیات کے میدان میں جس قدر بھی دریافتیں ہوئی ہیں وہ سب کی سب قرآن و حدیث سے مکمل اتفاق کرتی ہیں۔

> ''اگر تیس سال پہلے مجھ سے قرآن و حدیث کے اس مواد کے متعلق کوئی سوالات کیے جاتے تو میں شاید نصف کا بھی صحیح جواب نہ دے پاتا اس لئے کہ تیس سال قبل کا سائنسی علم نہایت محدود تھا۔''

1981ء میں دمام (سعودی عرب) میں منعقدہ ساتویں عالمی طبی کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر مور نے قرآن وحدیث کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ''میرے لئے یہ ازحد باعث مسرت ہے کہ میں نے قرآن کے مفاہیم کی سائنسی بنیادوں پر تحقیق کی اور علم جینیات کے حوالے سے جستجو کی۔ میں اِس بارے میں واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یقینی طور پر یہ سائنسی معلومات محمد تک اللہ تعالیٰ یا خدا کے برتر کے توسط سے پہنچیں کیونکہ یہ سب کچھ بہت بعد..... کئی صدیوں بعد دریافت ہوسکا۔ میرا یقین پختہ ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہی تھے۔''

ڈاکٹر کیتھ مور[1] (Keith Moore) اس سے پہلے ''نشوونما پذیر انسان'' (The Developing Human) نامی ایک کتاب تصنیف کر چکے تھے۔ مگر قرآن مجید سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں انہوں نے 1982ء میں اِسی کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا جس میں قابل قدر اضافے کیے۔ اس کتاب کو فرد واحد کی بہترین طبی کتاب کا اعزاز حاصل ہوا۔ کتاب کو عالمگیر پذیرائی حاصل ہوئی اور اس بلند پایہ تصنیف پر ڈاکٹر

---

1. موصوف وہی ماہر جینیات ہیں جنہیں عہد حاضر میں اپنے شعبہ علم یعنی Embryology میں امام سمجھا جاتا ہے، انہیں کا ایک جگہ کہنا ہے کہ قرآن کی جینیات سے متعلق مرحلہ بہ مرحلہ معلومات ایسی مستند ہیں کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محمدؐ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

موصوف کو Award بھی دیا گیا۔ اس کتاب کا دنیا کی متعدد بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کتاب اب طبی تعلیم (Medical) کے پہلے سال میں بطور نصاب پڑھائی بھی جاتی ہے۔ اور اس تصنیف کو حوالے کی ایک مستند کتاب (Reference Book) کا درجہ بھی حاصل ہے۔

ڈاکٹر جولی سمپسن جو بیلر کالج آف میڈیسن، امریکہ میں شعبۂ امراض نسواں (Obstetrics and Gynaecology) کے صدر نشین (Chairman) ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں ''یہ احادیث جو محمد ﷺ کے فرمودات ہیں ہرگز ہرگز کسی ساتویں صدی کے مصنف کی سائنسی معلومات نہیں ہوسکتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اور جینیات (Genetics) میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ دین اسلام روایتی سائنسی رویوں میں اپنے الہامی علوم شامل کر کے سائنس کی بہت رہنمائی کرسکتا ہے۔ قرآن ایسے بیانات اور فرمودات کا حامل ہے جنہیں صدیوں بعد کی علمی تحقیق نے مستند قرار دیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن واقعی خدا کی نازل کردہ وحی ہے۔''

ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان سے نکلنے والا قطرہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے

فلینظر الانسان مم خلق ۞ خلق من مآء دافق ۞ یخرج من بین الصلب والترآئب ۞ (سورۃ 86، آیات مبارکہ 5 تا 7)

''پھر انسان ذرا یہی دیکھ لے کہ وہ کس شے سے پیدا کیا گیا۔ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

تولیدی مراحل میں مرد اور عورت کے تولیدی اعضاء یعنی خصیے (Testicals) اور بیضہ دانیاں (Ovaries) گردوں کے قریب ریڑھ کی ہڈی اور گیارھویں اور بارھویں پسلی کے درمیان سے بالیدگی اور نشوونما پانا شروع کرتے ہیں۔ پھر نیچے کی طرف بڑھتے ہیں۔ عورتوں کی بیضہ دانیاں پیلوس (Pelvis) تک آ کر رک جاتی ہیں جبکہ مردانہ خصیے (بچے کے

Marfat.com

پیدا ہونے سے پہلے ہی) نیچے تک بڑھتے چلے جاتے ہیں اور Inguinal Canal کے ذریعے رانوں کے درمیان خصیہ دانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد بھی جب تولیدی اعضا کے نیچے اُترنے کا عمل مکمل ہو چکا ہوتا ہے انہیں ایک بڑی شریان Abdoninal Arota خون فراہم کرتی ہے۔ یہ شریان ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان واقع ہے جبکہ ان اعضا کا عقبی رابطہ جس نظام سے منسلک ہے وہ بھی اس مقام پر واقع ہے لمفی نکاس یعنی Lumphatic Drainage اور ناصاف خون کا وریدی بہاؤ بھی یہیں سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔[1]

کیا یہ حیران کن حقائق ہمیں دعوت فکر نہیں دے رہے؟

نطفہ۔ مائع کا خفیف قطرہ

قرآن مجید میں کم از کم گیارہ مقامات پر فرمان خداوندی ہے کہ انسان کی تخلیق ''نطفے'' سے ہوئی۔ نطفہ سے مراد مائع کی نہایت معمولی سی مقدار یا وہ قطرہ سا ہے جو پیالہ کو خالی کرنے کے بعد بھی کہیں تھوڑا بہت باقی بچ جاتا ہے۔ (یعنی برتن سے کہیں لگا رہ جاتا ہے)۔ قرآن میں متعدد بار اس کا ذکر ہوا۔ ذیل کی آیات مبارکہ ہی لے لیجیے۔

یایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة و غیر مخلقة لنبین لکم ط

(سورة 22، آیة مبارکه 5)

''لوگو اگر تمہیں بعدِ موت، زندگی کے بارے میں کوئی شک ہے تو جان لو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ یہ ہم تم پر واضح کیے دیتے ہیں۔''

---

1. پلازمہ (Red Blood Cells) اور خون کے سفید خلیات (White Blood Cells) پر مشتمل مرطوب نالیوں کے مخصوص نظام سے گزرنے کو لمفی نکاس کہا جاتا ہے۔

ارشاد ہے

ثم جعلنه نطفة فی قرارٍ مکین○ (سورۃ 23، آیۃ مبارکہ 13)

''پھر بنا کر رکھا ہم نے اس کو نطفہ ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں''

قرآن حکیم میں سورۃ مومنون کی آیت 12، 13 اور 14 ملاحظہ ہوں۔

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین○ ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین○ ثم خلقنا النطفة علقه فخلقنا العلقة مفغة فخلقنا المضغة عظما فکسونا العظم لحماق ثم انشانه خلقا اخر فتبرک الله احسن الخلقین○

''اور بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر بنا کر رکھا ہم نے اس کو نطفہ ایک جائے محفوظ میں۔ پھر شکل دی ہم نے نطفہ کو خون کے لوتھڑے کی پھر بنا دیا ہم نے لوتھڑے کو بوٹی، پھر چڑھایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت پھر بنا کھڑا کیا ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق، سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر خالق ہے۔''

قرآن مجید سورۃ قیمۃ میں اس آیت مبارکہ سے مزین ہے

الم یک نطفة من منی یمنٰی○ (آیۃ مبارکہ 37)

''کیا نہ تھا وہ (انسان) ایک قطرہ حقیر پانی کا جو ٹپکایا گیا۔''

قرآن مجید کا تخلیق انسان کے حوالے سے ایسا عمیق بیان کیا ہی حکمت آمیز ہے۔ سورۃ الدھر میں پہلی دو آیات یوں حقیقت کی گرہ کشائی کرتی ہیں۔

هل الی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئا مذکورا○ انا خلقنا الاانسان من نطفة امشاج ق نجتلیه فجعلنه سمیعا بصیرا○

''کیا گزرا ہے انسان پر ایک ایسا وقت، زمانے کا، کہ نہ تھا وہ کوئی قابل ذکر

شے۔ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ امتحان لیں اس کا۔ اسی لئے بنایا ہے ہم نے اُسے سننے والا، دیکھنے والا۔"

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

من ایّ شیءٍ خلقه○ من نطفة ط خلقه فقدّره○ (سورۃ عبس، آیۃ مبارکہ ۱۸،۱۹)

"کس چیز سے پیدا کیا اللہ نے اُسے (انسان کو) منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا اللہ نے اُسے پھر تقدیر مقرر کی اُس کی۔"

سورۃ المومن کی آیت 67 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ثم لتکونوا شیوخاً ○

"وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر نکالتا ہے وہ تمہیں بچے کی شکل میں پھر (بڑھاتا ہے) تاکہ پہنچ جاؤ تم اپنی بھرپور جوانی کو پھر (اور بڑھاتا ہے) تاکہ ہو جاؤ تم بوڑھے۔"

(حالیہ سائنس نے تصدیق کی ہے کہ عورت کے بیضہ کو بارآور کرنے کے لئے یا حمل ٹھہرانے کی خاطر تیس لاکھ مردانہ جرثوموں میں سے ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ یعنی خارج شدہ سپرمز (Superms) کا تین لاکھواں حصہ یا 00003. فیصد حصہ بارآوری کے عمل کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔

سُللة۔ مائع کا جوہر

قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے۔

ثم جعل نسله من سللة من مّاء مهين○ (سورۃ السجدۃ، آیۃ 8)

"پھر چلائی اس کی نسل حقیر پانی کے جوہر (ست) سے۔"

Marfat.com

عربی کے لفظ ''سللہ'' کا مطلب ''جوہر'' یا کسی کل کا بہترین حصہ ہے۔

آج ہمیں ارتقاء یافتہ سائنس کی مدد سے علم ہوا کہ مردانہ خلیات منویہ (Spermatozoa) میں سے صرف ایک ہی خلیہ مادہ بیضہ میں داخل ہو کر اُسے بارآور کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے، اِس ایک خلیہ کو، جو لاکھوں، کروڑوں مردانہ خلیوں میں سے ایک ہوتا ہے قرآن مجید نے سللۃ کہا ہے۔ اور یہ بھی ہماری حال ہی کی سائنسی دریافت ہے کہ نسوانی مادۂ تولید میں سے بھی محض ایک خلیہ افزائش نسل کے لئے کافی ہوتا ہے، گو اصل میں یہ مواد لاکھوں خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں میں سے ایک یہ بارآور ہونے والا نسوانی خلیہ بھی قرآن میں ''سللۃ'' کہلواتا ہے۔ اس لفظ کے ایک معنی کسی مائع سے اس کا ست یا جوہر نہایت سلیقگی سے الگ کر لینے کے بھی ہیں۔ اِس لفظ ''سللۃ'' سے مردانہ اور زنانہ مادۂ تولید بھی مراد ہیں۔ جن میں مردانہ اور نسوانی تخم ریزے (Gametes) پائے جاتے ہیں۔ تخم ریزے یا Gemets مردانہ Sperm یا نسوانی Ovum یا Egg ہی ہیں۔

بارآوری کے عمل میں بڑی احتیاط سے دونوں اقسام کے یعنی مردانہ اور نسوانی تخم ریزے اپنے اپنے ماحول سے جدا ہو کر باہمی اتصال کے لئے نکلتے ہیں۔

نطفہ اشاج۔ مخلوط مائعات

ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ^ق^ (سورۃ 76، آیۃ مبارکہ 2)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے بنایا۔''

لسانِ عربی کے مطابق ''نطفۃ امشاج'' سے مراد مخلوط مائعات ہیں۔ بعض مفسرین قرآن کی رائے میں ''مخلوط مائعات'' سے مراد مردانہ اور نسوانی مادہ تولید ہے۔ مردانہ اور نسوانی تخم ریزوں کے باہم مل جانے سے جو Zygote بنتا ہے وہ دراصل نطفہ ہی ہے علاوہ ازیں نطفہ امشاج سے مراد مردانہ مادہ تولید بھی ہو سکتا ہے جو مختلف غدودوں (Glands) سے خارج شدہ رطوبتوں سے وجود میں آتا ہے۔

Marfat.com

بہرکیف مخلوط مائعات کا ذرا سا قطرہ یعنی نطفہ امشاج ایسا مائع کہا جا سکتا ہے جس میں مردانہ، زنانہ، تخم ریزے (Gametes) اور دیگر کچھ مائعات جمع ہو چکے ہوں۔

صنف کا تعین

رحم مادر میں جنس کا تعین مرد کے تولیدی خلیہ یعنی Sperm سے ہوتا ہے نہ کہ عورت کے بیضے (Ovum) سے۔ پیدا ہونے والے بچے کی جنس کا انحصار اس پر ہوگا کہ کروموسومز کا 23 واں جوڑا بالترتیب xx یا xy ہے۔ (ایکس ایکس کی صورت میں لڑکی اور ایکس وائی کی صورت میں لڑکا پیدا ہوتا ہے)۔

عملی طور پر بچے کی جنس کا تعین بار آوری کے لمحے میں ہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ مکمل طور پر اس بات پر منحصر ہے کہ بیضہ کو بارور کرنے والا مردانہ خلیۂ تولید کون سے کروموسوم کا حامل ہے۔

اگر بیضہ کو بار آور کرنے والا خلیہء تولید x کروموسوم لئے ہوئے ہو تو متوقع بچہ لڑکی ہوگی اور وائی (Y) کروموسوم کا حامل ہو تو آنے والا مہمان لڑکا ہوگا۔

قرآن حکیم کیسے صریح انداز میں بیان کرتا ہے۔

وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیO من نطفۃ اذا تمنی O

(سورۃ مبارکہ 53، آیۃ مبارکہ 45 تا 46)

''اور اُس نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے۔''

عربی لفظ نطفہ کے معنی مائع کی ذرا سی مقدار کے ہیں اور ''تمی'' کا مطلب ہے طاقت کے ساتھ اخراج یا پودے کی طرح بوئی جانے والی شے۔ اس لئے یہاں لفظ ''نطفہ'' مردانہ مادہ تولید کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا اخراج زور سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے۔

الم یک نطفۃ من منی یمنی O ثم کان علقۃ فخلق فسوٰیO فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰO (سورۃ مبارکہ 75، آیۃ 37 تا 39)

''کیا وہ حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا

Marfat.com

بنا پھر اللہ نے اُسے جسم کی متناسب شکل دی پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں ٹھہرائیں۔"

یہاں بھی انتہائی معمولی مقدار کے مادۂ تولید (ایک قطرہ) کا ذکر ہوا ہے جس کے لئے "لطفة من منی یمنی" کے الفاظ استعمال کئے گئے اور یہ یقینی طور پر مرد ہی کی طرف سے آ کر بچے کی صنف کا تعین کرتا ہے۔ جاہلات اور علم واجوبا۔

(برصغیر میں اکثر ساس، پوتے یا نرینہ اولاد کی شدید خواہاں ہوتی ہے اور اگر بہو کے ہاں لڑکی جنم لے تو سارا الزام غریب بہو کے سر تھوپ دیا جاتا ہے انہیں علم ہو رہے کہ لڑکا یا لڑکی کی پیدائش کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ کیونکہ مرد ہی کے نطفے سے بچے کی جنس کا تعین ہوتا ہے عورت کے نطفے سے ہرگز نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر لڑکی کے جنم لینے پر کسی کو الزام دینا ایسا ہی ضروری ہے تو الزام اُن کے بیٹوں یعنی مردوں پر آنا چاہیے نہ کہ بہوؤں پر کیونکہ قرآن مجید اور سائنس دونوں مشترکہ طور پر یہ واضح فیصلہ دے چکے ہیں کہ بچے کی جنس مرد کے نطفے سے متعین ہوتی ہے۔)

تین تاریک پردوں سے ڈھکا ہوا بطن مادر

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے

خلقكم من نفس واحدة ثم جعل منها زوجها وانزل لكم من الانعام ثمنية ازواج ط يخلقكم فی بطون امّهتكم خلقا من بعد خلق فی ظلمت ثلث ط ذلكم الله ربكم له الملك ط لا اله الا هو ج فانی تصرفون O (سورۃ مبارکہ 39، آیۃ مبارکہ 6)

"اسی نے تم کو ایک جان (1) سے پیدا کیا پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نر اور مادہ پیدا کئے اور وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں میں تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں پھر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو۔"

(1) ایک جان سے ایک ادھر ادھر ہو سکتی ہے 64 میاں بیوی اس وقت وجود میں ایک جان ہی کی طرح ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے الفاظ میں (موصوف کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے) تاریکی کے تین پردے یہ ہیں۔

(1) بطن مادر کی اندرونی دیوار (2) شکم مادر کی دیوار
(3) غلاف جنین

جنین کے مراحل

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں مراحل جنین کو یوں بیان کرتا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين○ ثم جعلنه نطفة في قرار مكين○ ثم خلقنا النطفة علقه فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظم لحما ۚ ثم انشانه خلقا آخر ؕ فتبٰرك الله احسن الخٰلقين○ (سورة المومنون، آیۃ مبارکہ 12 تا 14)

"اور بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر بنا کر رکھا ہم نے اِس کو نطفہ ایک محفوظ جگہ (رحِمِ مادر) میں۔ پھر شکل دی ہم نے نطفہ کو خون کے لوتھڑے کی پھر بنا دیا ہم نے لوتھڑے کو بوٹی پھر بنائیں ہم نے بوٹی سے ہڈیاں پھر چڑھایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت۔ پھر بنا کھڑا کیا ہم نے اُسے ایک دوسری ہی مخلوق، سو بڑا ہی برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہتر تخلیق فرمانے والا ہے۔"

مذکورہ آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ انسان مائع کی ایک چھوٹی سی بوند سے تخلیق ہوا جسے ایک جائے قرار میں رکھا گیا جہاں وہ مضبوطی سے چمٹ جائے یا ٹھہر جائے اس کے لئے عربی زبان میں "قرار مکین" کی ترکیب استعمال کی گئی ہے رحم مادر کو "عقبی طرف سے ایک مضبوط تحفظ ریڑھ کی ہڈی یعنی Spinal Column کی شکل میں حاصل ہے جسے کمر کے اعصاب مزید تقویت بخش تحفظ دیتے ہیں" جبکہ جنین کو مزید تحفظ ایک تھیلی (Amniotic Sac) کے اندر بھی میسر آتا ہے۔ یوں یہ جنین ایک مائع کے اندر تیرتا رہتا ہے۔ یہ بدن سے بھی منسلک ہونے کے باعث نہایت محفوظ جائے قرار بن جاتا ہے۔
(مائع کی یہ بوند بھر مقدار "علقہ" کی صورت میں چمٹ جانے کا مفہوم دیتی ہے۔

Marfat.com

(جنین بودوباش حمل خوراک کی فراہمی کی وضاحت)

تخلیق انسان کی ابتدا یہی بوند ٹھہرتی ہے۔ اس کا مطلب چمٹ جانے والی ایک جونک کے مواد کا سا بھی ہے۔ یہ دونوں توضیحات سائنسی طور پر مسلمہ اور مصدقہ ہیں اس لئے کہ انتہائی ابتدائی مرحلے میں جنین ایک دیوار سے چمٹ جاتا ہے اور شکل میں ایک جونک کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور درحقیقت اس کی بود و باش بھی ایک جونک کی طرح ہی ہوتی ہے یعنی یہ خون چوستا ہے اور یہ خون ماں کے بدن سے آنول (Placenta) کی صورت میں حاصل کرتا ہے یعنی بچہ اسی کے ذریعے رحم مادر میں خون پر پلتا ہے اور پیدا ہونے پر Placenta کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔

علقہ کے تیسرے معنی ''جما ہوا خون'' کے ہیں۔ علقہ کے مرحلے پر، جو حمل کے تیسرے اور چوتھے ہفتے پر مشتمل ہے، خون لوتھڑے کی سی شکل میں جم جاتا ہے اور خون کی نالیوں کے بیچ ٹھہرا رہتا ہے۔ یوں جنین جمے ہوئے خون کے علاوہ جونک کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں ہم قرآنی علم کے ساتھ انسان کی صدہا برس کی تحقیقات کا موازنہ کرتے ہیں۔ اسی میں تفکر والوں کے لیے، تعقل والوں کے لئے اور تعلم والوں کے لئے واضح نشانیاں ہیں۔

1667ء میں ہام اور لیون ہاک ہی وہ اولین سائنسدان حضرات تھے جنہوں نے خوردبین سے مردانہ خلیات (Spermatozoa) کا دقیق مشاہدہ کر کے یہ تاثر قائم کیا کہ انسانی خلیہ افزائش نسل میں ایک منا سا انسان موجود ہے۔ جو بعد ازاں رحم مادر میں نشوونما پا کر ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس نظریے کو پرفوریشن تھیوری (Perforation Theory) سے موسوم کیا گیا۔ جب سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا کہ مادہ بیضہ مردانہ سپرم سے حجم میں بڑا ہوتا ہے تو ''ڈی گراف'' (De Graf) اور دوسرے سائنس دانوں نے یہ نکتۂ نظر اختیار کیا کہ ''منا سا انسان'' دراصل بیضہ مادہ میں موجود ہوتا ہے۔ نسبتاً بعد کے ایک سائنس دان Maipertuis نے اٹھارویں صدی میں یہ نظریہ پیش کیا بچہ ماں اور باپ دونوں کی مشترکہ میراث ہے اور ان کے باہم تولیدی خلیوں کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔

علقہ بعد میں مضغہ میں مکمل طور پر ڈھل جاتا ہے جس کا مطلب ہے ایسی شے جسے چبایا جائے (یعنی جس پر دانتوں کے نشان ہوں) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ایسی چھوٹی شے

Marfat.com

جو لیس دار ہو اور اسے (Gum) گم کی طرح منہ میں رکھا جا سکے۔ سائنسی نکتہ نگاہ سے یہ دونوں تشریحات بجا طور پر درست ہیں۔

پروفیسر کیتھ مور نے پلاسٹر سیل کا ایک ٹکڑا لے کر اِسے جنین کے مراحل اول کی صورت میں ڈھالا اور دانتوں کے درمیان رکھ کر اسے چبایا اور اسے ''مضغہ'' کی شکل میں ڈھالا۔ بعدازاں اس ''مضغہ'' کی شکل کا جنین کے ابتدائی مرحلے کی تصاویر سے موازنہ کیا۔ دانتوں کے نشانات ریڑھ کی ہڈی کی ابتدائی شکل وصورت کے آثار سے متماثل تھے۔ مضغہ نشوونما پا چکنے پر ہڈیوں یعنی عظمہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر بتدریج ان ہڈیوں پر گوشت یا اعصاب کی تہہ چڑھنے لگتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے ''ایک اور ہی'' شکل میں ڈھالتا ہے۔

پروفیسر مارشل جانسن امریکہ کے سرکردہ سائنس دانوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور فلاڈلفیا کی تھامس جیفرسن یونیورسٹی میں ڈینئل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر اور شعبہ علم افعال اعضاء کے سربراہ بھی ہیں۔ جب ان سے تخلیق و پیدائش انسان کے متعلق آیات قرآنی پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا پہلے تو وہ کہنے لگے کہ جنین کے مختلف مراحل پر مبنی آیات قرآن ہرگز ''اتفاق محض'' نہیں ہوسکتیں۔ بہت امکان ہے کہ محمدؐ کے پاس نہایت باریک بین خوردبین موجود تھی، ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قرآن چودہ سو سال پہلے اترا تھا اور اس کے کئی صدیوں بعد تک خوردبین سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ اس پر موصوف ہنس اٹھے اور کہنے لگے کہ اول اول جو خوردبین ایجاد ہوئی تھی وہ فقط چیزوں کو دس گناہ چھوٹا کر کے دیکھ سکنے کی متحمل تھی۔ اور ہرگز اشیا کی صاف واضح تصویر نہیں دے سکتی تھی۔ پھر کہا

''مجھے اس تصور سے اختلاف کی وجہ نظر نہیں آتی کہ جب محمدؐ (ﷺ) قرآن کی تلاوت کرے تو کوئی نہ کوئی الہامی قوت ضرور درمیان موجود ہوتی۔''

ڈاکٹر کیتھ مور (Keith Moore) کے مطابق ''جنین کے نشوونما کے مراحل کی جدید درجہ بندی اگرچہ دنیا بھر میں اختیار کر لی گئی ہے مگر یہ درجہ بندی باآسانی قابل تفہیم نہیں ہے چونکہ یہ مختلف مراحل کو عددی پیمانوں سے شناخت کرتی ہے جیسے پہلا مرحلہ اور دوسرا تیسرا وغیرہ۔ قرآن حکیم، دوسری جانب، جدا جدا ساخت اور اشکال کے حوالے سے جو وضاحت دیتا ہے اس سے ہر مرحلہ بطریق احسن پہچانا جا سکتا ہے قبل پیدائش کے تمام مراحل کی جزیات پر

منی یہ تفصیلات سائنسی حوالے سے مصدقہ اشکال کی جس طرح وضاحت کرتی ہیں وہ قابل فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عملی تقاضے بھی نبھاتی ہیں۔

مندرجہ ذیل آیات بھی قبل پیدائش کے جینیاتی مراحل کو واضح انداز میں بتاتی ہیں کہ نشو ونما اپنی ابتدائی شکل میں کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہے۔

الم یک نطفة من منی یمنٰی o ثم کان علقة فخلق فسوٰی o فجعل منه الزوجین الذکر والانثٰیo (سورۃ مبارکہ 75، آیۃ مبارکہ 37 تا 39)

''کیا وہ حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اعضا کو تناسب دیا۔ پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں ٹھہرائیں۔''

یہ آیۃ قرآنی بھی رمز کشا ہے۔

الذی خلقک فسوک فعدلکo فی ای صورة ماشاء رکبکo

(سورۃ مبارکہ 82، آیۃ مبارکہ 7 تا 8)

''جس نے تجھے پیدا کیا تجھے تک سک سے درست کیا تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ کر تیار کیا۔''

جزوی ساختہ اور جزوی ناساختہ جنین

اگر جنین کو مضغہ کے مرحلے پر درمیان سے کاٹا جائے تو نظر آئے گا کہ نشو ونما کے اس مرحلے پر بہت سے اعضا مکمل طور پر تخلیق ہو چکے ہیں جبکہ باقی کچھ ابھی نیم مکمل ہیں۔ یعنی تکمیل پا رہے ہیں۔

پروفیسر جانسن کے مطابق اگر ہم جنین کی شکل یا ساخت کی وضاحت کریں تو ہم صرف ان حصوں کی بابت بات کریں گے جو تکمیل پا چکے ہیں اور پورے پورے تخلیق ہو چکے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم جنین کو اس مرحلے پر ''ادھوری تخلیق'' سے موسوم کریں تو ہم اس کے نامکمل حصوں کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہوں گے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنین اس مرحلے پر کیا مکمل تخلیق ہے؟ یا نامکمل؟ قرآن حکیم جس طرح اس مرحلے پر جنین کی حالت اور

Marfat.com

ساخت کو واضح کرتا ہے اور اس سے بہتر وضاحت کہیں اور نہیں ملتی۔

قرآن مجید اس مرحلہ جنین کو ''جزوی ساختہ'' اور ''جزوی ناساختہ'' کہتا ہے۔ درج ذیل آیۂ مبارکہ سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

فانا خلقنكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغير مخلقة لنبين لكم ط و نقر فى الارحام مانشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم طفلا ثم لتبلغوآ اشدكم ج

(سورۃ مبارکہ 22، آیۃ مبارکہ 5)

''تو واقعہ یہ ہے کہ ہم ہی نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ تا کہ تم پر ظاہر کریں (اپنی قدرت وحکمت) اور ٹھہراتے ہیں ہم رحموں میں جس کو چاہیں ایک مدتِ مقررہ تک پھر نکال لاتے ہیں ہم تم کو ایک بچے کی صورت میں پھر تا کہ پہنچو تم اپنی جوانی کو۔''

سائنسی طور پر ہم جانتے ہیں کہ جنین کی نشوونما کے اس ابتدائی مرحلے پر کچھ خلیات الگ اپنی مخصوص ساخت حاصل کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے خلیات ابھی اپنی کسی امتیازی شکل میں نہیں ڈھلے ہوتے یعنی کچھ اعضا کی ساخت مکمل ہو جاتی ہے دیگر کی ساخت نامکمل ہوتی ہے یا جزوی طور پر مکمل ہوتی ہے۔

سننے اور دیکھنے کی حسیات

ایک ارتقا پذیر جنین میں جو پہلی حس تخلیق پاتی ہے وہ ''سماعت'' یا سننے کی حس ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ رحم مادر میں چوبیسویں ہفتے کی نشوونما تک جنین میں آوازیں سننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بصارت یا دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اٹھائیسویں ہفتے تک پردۂ چشم (Retina) روشنی کے حوالے سے حساس ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم اس عمل کی شرح یوں بیان کرتا ہے۔

Marfat.com

ثـم سـوّٰئـه و نـفـخ فيـه مـن روحـه وجعل لكم السـمع والابصار والافئِدة ط قليلا ما تشكرونO (سورة مبارکہ 32، آیۃ مبارکہ 9)

''پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے، تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو۔''

اور آیت ملاحظہ ہو

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ق نبتليه فجعلنه سميعا بصيراO

(سورة 76، آیۃ مبارکہ 2)

''ہم نے انسان کومخلوط نطفے سے خلق کیا پھر اِسے بنایا سنتا دیکھتا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

وهو الذى انشالكم السمع والابصار والافئِده ط قليلا ماتشكرونO

(سورة مبارکہ 23، آیۃ مبارکہ 78)

''وہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔''

مذکورہ بالا تمام آیات میں سماعت کا ذکر بصارت سے پہلے کیا گیا ہے اور جدید سائنس بھی یہی دریافت کر پائی ہے کہ انسانی تخلیق میں پہلے سننے کا مرحلہ آتا ہے بعد میں دیکھنے کا۔ اِن نکات پر بھی سائنس واضح طور پر قرآن کی ہمنوا ہے۔

Marfat.com

باب13

عمومی سائنس

(General Science)

انگلیوں کے نشانات یعنی فنگر پرنٹس

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

ایحسب الانسان الن نجمع عظامه o بلى قدرين على ان نسوى

بنانه o (سورۃ مبارکہ 75، آیۃ مبارکہ 3 تا 4)

''کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے کیوں نہیں!
ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔''

دراصل منکرین یہ اعتراض لاتے کہ ہم دوبارہ زندہ کیسے اٹھائیں جائیں گے جبکہ مردہ لوگوں کی ہڈیاں زمین میں گل سڑ کر بے نام ونشان ہو چکی ہوں گی اور کس طرح ہر شخص علیحدہ علیحدہ روزِ قیامت کو پہچانا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ ذات باری تعالیٰ نہ صرف اُن کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر ہے بلکہ وہ ان کی انگلیوں کی پوریں تک ہو بہو از سرِ نو تخلیق کر سکتا ہے۔

کسی فرد کی شناخت کی تعین کے حوالے سے قرآن مجید کیوں خاص طور پر اُس کی انگلیوں کے نشانات کو اتنی اہمیت دیتا ہے؟

1980ء میں سر فرانس گولٹ کی تحقیق کے نتیجے میں انگلیوں کے نشانات کسی شخص کی شناخت کا سائنسی طریقہ کار بن گئے۔ پوری دُنیا میں کہیں بھی دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ جڑواں بچوں کے بھی انگلیوں کے

نشانات ایک جیسے نہیں ہوتے چاہے باقی جسم یا چہرے کے خدوخال کتنے ہی یکساں کیوں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں اب مجرموں کی شناخت کے لئے پولیس انگلیوں کے نشانات ہی سے مدد لیتی ہے۔

چودہ صدیاں قبل کس انسان کو علم تھا کہ ہر فرد کی انگلیوں کے نشانات منفرد ہوتے ہیں؟ یقیناً خالقِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسے معلوم تھا جب اُسی نے انگلیوں کے نشانات جدا، جدا تخلیق کئے ہیں۔

جلد میں درد کے احساس کی حِس

گزشتہ زمانوں میں یہی سمجھا جاتا رہا کہ محسوسات اور درد وغیرہ کا تعلق محض دماغ سے ہے۔ مگر زمانہ حاضر کی تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ انسانی جلد میں درد محسوس کرنے کی حس پائی جاتی ہے بصورتِ دیگر انسان کو درد کا احساس نہ ہو پاتا۔

جب کوئی ڈاکٹر کسی جلے ہوئے مریض کا معائنہ کرتا ہے تو وہ جلے ہوئے مقام پر سوئی چبھو کر جلن کی شدت کا اندازہ کرتا ہے۔

اگر سوئی چبھنے سے متاثرہ فرد کو درد، تکلیف کا احساس ہو تو ڈاکٹر کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے...... کیونکہ اس سے پتا چلتا ہے کہ صرف بیرونی جلد ہی جلی ہے اور درد محسوس کرنے والے خلیات کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے برعکس، اگر مریض سوئی چبھوئے جانے پر درد محسوس نہ کرے تو یہ بری علامت ہوتی ہے۔ کیونکہ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ جلد اندر تک جل چکی ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ سارا جلد کا اندرونی خلیات کا نظام بھی جل چکا ہے جس میں درد کو محسوس کر لینے کی صلاحیت تھی۔

قرآن مجید نہایت وضاحت سے جلد کے اندرونی نظام کی نشاندہی کرتا ہے جو درد محسوس کرنے والے حواس (Pain Receptors) پر مشتمل ہے۔

ان الذین کفرو بایتنا سوف نصلیھم نارا ط کلما نضجت

Marfat.com

جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب ط ان اللہ کان

عزیزا حکیماo (سورۃ النساء، آیۃ مبارکہ 56)

"جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کر دیا ہے انہیں ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو دوسری کھال اس کی جگہ پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ قدرت والا اور حکمت والا ہے۔"

پروفیسر تیگاتت تجاسن کا تعلق تھائی لینڈ کی چیانگ سائی یونیورسٹی سے ہے۔ وہ وہاں پر شعبہ علم افعال الاعضا (Anatomy) کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے درد کو محسوس کرنے والے جلد کے نظام پر طویل تحقیق کی ہے۔ پہلے تو انہیں یقین یہ نہیں آ رہا تھا کہ قرآن مجید چودہ صدیاں پہلے ہی یہ حقیقت آشکارا کر چکا ہے تاہم جب انہوں نے بعدازاں مذکورہ آیۃ مبارکہ کی مکمل تصدیق کر لی تو اِس قدر متاثر ہوئے کہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں منعقدہ آٹھویں طبی کانفرنس[1] کے موقع پر بھرے مجمع میں دنیا بھر کے سامنے

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھ کر اسلام کی حقانیت پر مکمل ایمان لے آئے۔

1۔ یہ کانفرنس "قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں سائنسی حقائق" کے موضوع پر تھی۔

باب 14

اِتمام حجت

(Al Quraan is Absolutely True Words of Allah)

اب یہ کہنا کہ سائنسی حقائق کی قرآن میں موجودگی اتفاقیہ بات ہے سراسر عقل عامہ اور حقیقی سائنسی طرز فکر کے منافی ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآنی آیات کی درستگی اور سچائی کی خود قرآن کریم کے اس واضح اعلان سے تصدیق ہوتی ہے۔

سنریھم آیٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شئی شھیدO (سورۃ مبارکہ 41آیۃ مبارکہ 53)

''عنقریب ان کو ہم اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر شے پر نگاہ رکھتا ہے۔''

قرآن مجید نے تمام بنی نوع انسان کو تخلیق کائنات میں فکر و تدبر اور غور کرنے کی کھلی دعوت دی ہے۔ آیت مبارکہ یہ ہے۔

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار لاٰیٰت الاولی الالباب O (سورۃ 3آیۃ مبارکہ 190)

''زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے ادل بدل میں ہوشمندوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔''

قرآن حکیم میں موجودہ سائنسی شواہد اور علم ثابت کرتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ چودہ صدیاں پہلے کوئی انسان خود سے ایسی کتاب لکھ ہی نہیں سکتا تھا جو ایسے سچے اور گہرے سائنسی حقائق سے لبریز ہو۔

ان سب باتوں کے باوجود یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں بلکہ Signs (آیات) کی کتاب ہے۔ یہی آیات ہیں جو انسان کو اس کرہ خاکی

Marfat.com

پر اپنے مقصد حیات سے روشناس ہونے کی دعوت دیتی ہیں اور فطرت سے ہم آہنگ ہو کر تسخیر فطرت کی راہیں سجھاتی ہیں۔ قرآن مجید بغیر کسی شک وشبہ کے اللہ کا سچا پیغام ہے جو اپنے دامن میں ابدی سچائیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ انسان کے نام مکتوب ربانی ہے۔ وہی اللہ جو کائنات کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے قرآن مجید اللہ کی وحدانیت کا درس دیتا ہے اور یہ وہ پیام توحید ہے جس کی تبلیغ آدمؑ سے لے کر موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور خاتم النبین محمد ﷺ نے کی۔

(قرآن حکیم اور سائنس میں موجود مطابقت پر ڈھیروں ڈھیر لکھا جا چکا ہے اور کتنا ہی مزید لکھا جا رہا ہے۔ یہ تحقیقی سلسلہ جاری وساری ہے۔ یقیناً یہ تحقیقی مواد انسانوں کو سچے کلام الٰہی کے قریب تر لائے گا۔ اس کتاب میں تو قرآن کی ایسی چند ہی آیات کا ذکر کیا جا سکا ہے جو سائنسی تحقیقات اور صداقت سے مالا مال ہیں بہر حال میں ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنے موضوع سے مکمل انصاف کر سکا ہوں۔

(پروفیسر تیجاسن نے تو (جن کا ذکر گزشتہ باب میں ہوا ہے) قرآن مجید کی صرف ایک آیت کے مصدقہ سائنسی حقیقت ہونے پر اسلام قبول کر لیا۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو ایسی دس شہادتوں سے اسلام کی سچائی پر یقین آئے اور یہ بھی ممکن ہے بعض لوگ قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل کردہ حکمت و ہدایت ماننے سے ہچکچائیں حتیٰ کہ وہ سو ایسی واضح شہادتیں دیکھ لیں تو ایمان لائیں اور بعض حضرات کے دل ایک ہزار شہادتیں دیکھ کر بھی ذرا نہ پگھلیں۔

قرآن مجید ایسی تنگ ذہنی' کوتاہ نظری اور بے دلی کی شدید مذمت کرتا ہے۔

صمّ بکم عمی فھم لایر جعونo

''بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں پس یہ نہ لوٹیں گے (اپنے رب کی راہ پر)''

قرآن مجید' فرد اور معاشرے کے لیے مکمل ضابطہء حیات ہے۔ الحمد اللہ (تمام حمد و ثناء اللہ ہی کے لیے ہے) قرآن جس طرز حیات اور اسوۂ حسنہ سے ہمیں روشناس کراتا ہے وہ ان تمام نظریات وغیرہ (Isms) سے کہیں بہتر ہے جو حضرت انسان نے من گھڑت دعووں' بزعم خویش دانش' بے بنیاد تاویلوں اور جہالت سے تخلیق کر رکھے ہیں۔

''کیا کوئی خالق سے بھی بہتر رہنمائی کرنے والا ہو سکتا ہے؟''

میری اللہ تعالیٰ عزوجل سے دلی دعا ہے کہ وہ میری اس حقیر کاوش کو قبول کرے۔ نیز مجھے اپنی امان اور اپنی راہنمائی سے سرفراز کرے۔ آمین

Marfat.com

”مکالمہ“

(Q & A Proceedings)

”قرآن مجید اور جدید سائنس میں مطابقت یا مفارقت“ کے موضوع پر سوالات و جوابات

سوال: السلام علیکم! میں دارالقرآن، کویت سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا نام کوثر شیخ ہے ان دنوں میں عربی کی معلمہ ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ ایک دن اللہ کے نزدیک ایک ہزار سالوں کے برابر ہے اور ایک دوسری جگہ ایک دن پچاس ہزار سال سے عبارت کیا گیا ہے کیا قرآن مجید اپنی ہی تردید نہیں کر رہا؟ براہ کرم وضاحت کر دیں۔

ذاکر نائیک: بہن نے سوال کیا ہے کہ ایک جگہ تو قرآن مجید میں ایک دن اللہ کے نزدیک ایک ہزار سال کے برابر قرار پاتا ہے جبکہ دوسری جگہ پچاس ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے تو کیا یہ قرآن حکیم میں خود تردیدی نہیں تو بہن کا سوال جس سورہ کی آیہ مبارکہ سے مربوط ہے وہ سورہ حج کی سینتالیسویں آیت ہے۔

وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدونO

”اور اللہ کے نزدیک ایک دن درحقیقت تمہارے حساب کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فی یوم کان مقدارہٗ الف سنۃ مما تعدون O (سورہ سجدہ، آیہ مبارکہ 5)

”ایک ایسے دن میں کہ ہے جو مقدار میں تمہارے شمار سے ایک ہزار سال۔“

اور سورہ معارج میں جو قرآن کی سترویں (70) سورہ ہے یہ چوتھی آیہ مبارکہ کہتی ہے۔

Marfat.com

تعرج الملئكة والروح اليه فى يوم كان مقداره خمسين الف سنة ۝

''فرشتے اور روح اس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جو مقدار میں 50ہزار سال کے برابر ہے۔''

کیا یہ تردید نہیں؟ تو دراصل بہن !ان آیات میں قرآن پاک جس حقیقت سے پردہ کشا ہے وہ نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ کی نظر میں وقت کی مقدار کا موازنہ زمینی یا دنیاوی وقت سے کیا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ یعنی زمینی وقت چاہے وہ ہزار برس ہو' پچاس (50) ہزار برس ہو چاہے کتنے ہی برسوں پر محیط ہو کائناتوں کے خالق و باری اور ازل و ابد کے مالک کے نزدیک' زمین پر بیتنے والا وقت محض ایک دن یا کہہ سکتے ہیں کہ محض ایک لمحے کے برابر ہے۔ یہ صرف ایک اشارہ ہے کہ ہمارا وقت موازنے میں اللہ کے نزدیک بہت ناچیز ہے۔ اس کے باوصف اگر آپ ان آیات کے لفظی معانی پر اصرار کریں تو وضاحت کی جاسکتی ہے دراصل یہاں عربی کا جو لفظ ''یوم'' استعمال کیا گیا ہے اس کے دو مختلف معانی ہیں اسے ہم ''دن'' سے بھی موسوم کر سکتے ہیں اور ''عہد'' یا ''زمانے'' سے بھی جو اپنے دورانیے میں بہت طویل ہو۔ اب اگر آپ سورہ سجدہ کی پانچویں آیہ مبارکہ پڑھیں۔

یدبر الامر من السمآء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارهٗ الف سنة مما تعدون ۝

''وہ تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک کے سب معاملات کی پھر پہنچتی ہے (روداد اس تدبیر کی) اس کے حضور ایک ایسے دن میں جو تمہارے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال کی مقدار کے برابر ہے۔''

اگر آپ صحیح طور پر ''یوم'' کا ترجمہ زمانے سے کریں تو واضح ہوگا کہ خدا ہی زمین و آسمان کا ناظم اعلیٰ ہے اور تمام معاملات کا اصل عامل ہے اور یہ تمام سرگرمیاں جو زمین اور آسمان کے بین وقوع پذیر ہیں آپ کے حساب سے ایک ہزار سال (Millenium) پر

Marfat.com

مشتمل ہیں مگر اس کے لئے محض ایک دن لگتا ہے۔

مزید برآں' سورہ معارج کی مذکورہ آیہ مبارکہ سے عیاں ہے کہ جن و ملائک ایک ایسے دن سے گزر کر آسمانوں کو پہنچتے ہیں جو پچاس (50) ہزار سال پر محیط ہے۔ یہاں ''یوم'' سے مراد پچاس ہزار سال ہیں۔

قرآن حکیم دو طرح کے زمانوں کی بات کر رہا ہے اس صورت میں یہ کوئی خود تردیدی نہیں ہے۔ مثلاً میں اگر کہوں کہ میں ایک گھنٹے تک کسی جگہ تک پہنچ جاؤں گا تو میں صرف ایک گھنٹے میں ہی ایسا کرنے کا پابند ہوں اور میں کہوں کہ وہاں سے آگے ایک مقام تک جانے کے لئے مجھے پچاس گھنٹے درکار ہیں تو میں خود تردیدی کا مرتکب نہیں ہو رہا کیونکہ میں نے دو مختلف ''دورانیوں'' کی بات کی ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جن و ملائک کو آسمانوں کے عروج تک رسائی کے لئے 50 ہزار برس کی مدت لگتی ہے جبکہ آپ ہی کے یعنی زمینی حساب وقت کے مطابق' کائنات کے تمام معاملات کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا ایک ہزار (1000) سال میں واقع ہوتا ہے۔ یہ واضح طور پر خود تردیدی نہیں ہے۔ یقین ہے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دے سکا۔

سوال: السلام علیکم ذاکر بھائی! میرا نام شاکر ہے میں مکینیکل انجینئرنگ کا طالب علم ہوں میں پوچھنا چاہوں گا کہ آپ سائنسی حوالے سے خدا کی موجودگی کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ اور وہ بھی یوں کہ ایک ملحد شخص قائل ہو سکے۔

ذاکر نائیک: بھائی کا سوال ہے کہ خدا کی موجودگی کو سائنسی طور پر کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص ایک ''ملحد'' کے سامنے کیسے ثابت کیا جائے کہ خدا موجود ہے۔ تو سب سے پہلے تو میں اس ملحد یا خدا کے منکر کو مبارک باد پیش کروں گا۔ ہاں مبارک باد پیش کروں گا پتہ ہے کیوں؟ اگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو ہمیں باور کرنا ہوگا کہ کوئی ہندو اس لئے ہندو ہوتا ہے کہ اس کا باپ ہندو تھا کوئی عیسائی اس لئے عیسائی بنا ہوا ہے کہ اسے ''عیسائیت'' ہی ترکے میں ملی' کچھ مسلمان محض اسی لئے دعویٰ مسلمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ''مسلمانی'' ان کی ''میراث خلف'' ہے۔ جبکہ ''ملحد'' ایک مذہبی پس منظر کے ہوتے ہوئے بھی ان جھوٹے خداؤں پر ایمان لانے

سے منکر ہے جن سے وفاداری بشرط استواری اس کے والدین کا خاصہ رہا ہے۔ میں اسے اس لئے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ اس نے کلمہ شہادت کا ابتدائی حصہ تسلیم کرلیا جو اسلامی عقیدے کا مضبوط جزو ہے یعنی ''لا الہ'' (کوئی خدا نہیں ہے) اور اس تناظر میں میرا کام یہ ہے کہ میں ''الا اللہ'' کا ثبوت پیش کروں جس کا مطلب ہے ''لیکن اللہ تعالیٰ'' اور میں انشاء اللہ ثابت کرتا ہوں۔ دیکھیں! باقی لوگوں کے لئے مجھے پہلے سب سے پہلے تو خدا کا غلط سلط تصور موجود مٹانا پڑتا ہے اور اللہ کے صحیح تصور سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ یہاں میری آدھی محنت کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ اس ملحد نے پہلے ہی سے ''لا الہ'' پر کامل ایمان رکھا ہوا ہے مجھے فقط ''الا اللہ'' ثابت کرنا مقصود ہے جو یہاں اب میں (انشاء اللہ) ثابت کروں گا۔

اس ملحد سے پوچھیئے کہ بالفرض کوئی ایسی شے ہو کوئی بھی شے جیسے کوئی اڑنے والی شے ہی لے لیں جسے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوا نہ ہی دنیا کا کوئی انسان اس شے سے آگاہ ہے اگر یہ آپ کے سامنے لائی جائے اور پوچھا جائے کہ وہ کون شخص ہوگا جو سب سے پہلے ایسی مکمل ''انجان شے'' کے طور اطوار "Mechanism" سے آگاہ ہو سکے گا جو دنیا کے کسی بھی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی؟ تو وہ ملحد قدرے سوچ کر یہ جواب دے گا کہ ''وہی انسان ہی آپ کو بتا سکتا ہے اور سب سے پہلے' سب سے بہتر بتا سکتا ہے جس نے بذات خود اس شے کو بنایا یا وجود دیا''۔ کچھ ملحدین کہیں گے صانع یا کاریگر وغیرہ۔ تو آپ لفظوں میں نہ الجھیں یہ بات مان لیں کہ کسی "Producer" نے ہی وہ شے (Object) بنائی۔ ملحد ہمیشہ یونہی کہے گا کسی انسان نے' ماہر انسان نے وہ شے تخلیق کی۔ حضرات یہ بات ذہن میں رکھیئے اور دوسرا سوال کر دیجئے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی؟ اسے کس نے متشکل کیا؟ ملحد صاحب فٹ سے فرمائیں گے

'' بھائی انفجار کبیر یعنی Big Bang کا نظریہ سامنے ہے۔ تو آپ انہیں مطلع کریں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورہ انبیاء کی آیہ 30 میں ارشاد فرماتا ہے

اولم یر الذین کفروآ ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقاً ففتقنھماط
'' کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر جدا جدا کر دیا۔''

Marfat.com

اور یہی تو بگ بینگ کا نظریہ ہے کس کے وہم و گمان میں چودہ سو سال قبل یہ حقیقت موجود ہو سکتی تھی؟ تو شاید وہ ملحد کہے گا یہ تو ''اتفاق محض'' ہے یا ''تکا'' ہے۔ اس سے الجھیں مت بلکہ سوال کا اگلا حصہ عرض گزاریں کہ ہمیں تو ماضی میں علم نہیں تھا کہ چاند کی روشنی' روشنئ مستعار ہے یعنی منعکس شدہ روشنی ہے اور ہمیں تو حال ہی میں جدید تحقیقات کی مدد سے اس حقیقت کا پتہ چلا ہے۔ تو ''ملحد'' صاحب فرمائیں گے کہ ہاں' ہاں یہ ثابت شدہ ہے کہ چاند سورج سے روشنی مستعار لیتا ہے۔ ہمیں اس کا ادراک ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا بس سو' پچاس سال قبل ہی یہ انکشاف ہوا تھا۔ آپ اسے آگاہ کریں کہ قرآن مجید چاند کی روشنی کے روشنئ مستعار ہونے کی بات چودہ صدیاں قبل کرتا ہے تو یہ حقیقت قرآن نے کہاں سے کھوج لی؟ وہ کہے گا ''شاید کسی کا تیر نشانے پر جا لگا'' آپ مان لیجئے اور بغیر تکرار کے بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھیے کہ قدیم انسان تو سورج کو ساکن سمجھتا تھا جبکہ سورج کا ساکن ہونا ''وہم محض'' کے سوا کچھ نہیں اس ''وہم باطل'' کی نسبت بھی وہ ملحد آپ کا ہمنوا ہوگا۔ واقعی سورج اپنے محور کے گرد اور ایک خاص نکتہ "Apex" کی سمت حرکت میں ہے۔ ملحد پوچھنے پر بتائے گا کہ ''مجھے ماضی قریب میں اس حقیقت کا علم ہوا'' تو آپ اسے بتایئے کہ قرآن 50,60 سال پہلے نہیں چودہ صدیاں قبل واضح طور پر یہ حقیقت آشکارا کر چکا ہے۔ وہ ضرور تھوڑا ہچکچائے گا لیکن کہے گا کہ ''شاید قرآن کسی ذہین فرد نے لکھا ہو۔'' آپ سکون سے اپنا سلسلۂ سوالات جاری رکھیں اور اس ملحد سے پوچھیں کہ ''کائنات آغاز میں کس شکل کی تھی؟ وہ کونیاتی مواد "Celestial Matter" کیسا تھا؟'' وہ آپ کو بتائے گا کہ ''یہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ اس ملحد سے پوچھیں تمہیں کب' کیسے پتا چلا؟ وہ جواب دے گا کہ ''ہمارے پاس ثبوت ہیں' شواہد ہیں۔'' پھر آپ اسے اس حقیقت کے روبرو لایئے کہ قرآن حکیم نے یہی بات (کہ کائنات Smoke یا دھوئیں کی صورت میں تھی) چودہ سو سال پہلے کہی ہے اس زمانے میں کون ایسا علم بیان کر سکتا تھا؟ تو وہ یقیناً ہچکچاہٹ کا اظہار کرے گا۔ اس کے (ملحد کے) ردعمل کا انتظار نہ کریں بلکہ استفسار کرنا جاری رکھیں اور سوال در سوال پوچھتے ہی چلے جائیں جیسا کہ میں اپنے طویل لیکچر میں بیان کر چکا مثلاً آبی چکر یا واٹر سائیکل سے ہم کیسے شناسا ہوئے؟ قرآن نے تو چودہ سو سال پہلے آگاہی دے دی تھی کہ ہر زندہ شے پانی سے پیدا

Marfat.com

ہوئی۔ کون شخص یہ بات جان سکتا تھا یا اس زمانے میں از خود گھڑ کر بتا سکتا تھا۔ قرآن حکیم تو نباتات کے بارے میں لب کشا ہے کہ ان میں بھی جوڑے پائے جاتے ہیں۔ ملحد صاحب! یہ کون فرد ذاتی طور پر کہہ سکتا تھا؟ سوال در سوال یہی بیان کردہ سائنسی حقائق' قرآن حکیم کے حوالے سے پوچھتے جائیں۔

''آخر کار! کس نے یہ سب کچھ لکھا ہوگا؟''

پھر ان ملحد صاحب سے کہیں کہ ایک نظریہ ہے جسے ''نظریہ امکان'' یا Theory of Probability کہا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کو دو پر اختیار ہو اور ان دو میں سے ایک صحیح ہو تو آپ کے صحیح انتخاب کے امکانات دو میں سے ایک یعنی ففٹی' ففٹی ہیں۔ مثلاً میں ایک سکے کو اچھالتا ہوں تو یا تو ایک طرف والا مخصوص حصہ یقینی طور پر سامنے ہوگا یا نہیں یعنی Head یا Tale اور میرے صحیح صحیح انتخاب کے امکانات دو میں سے ایک ہیں اور اگر میں ایک سکہ دو مرتبہ اچھالوں تو میرے درست انتخاب کے امکانات 1/2 X 1/2، یعنی 1/4 ہوں گے جسے ہم پچیس فیصد امکان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب اگر میں سکے (Coin) کو تین مرتبہ اچھالوں تو میرے درست ہونے کے امکانات 1/2 X 1/2 X 1/2 یعنی 1X8 ہو جائیں گے بالالفاظ دیگر 12.5 فیصد امکانات رہ جاتے ہیں۔ ایک پانسے (DICE) کی چھ اطراف ہوتی ہیں۔ اگر میں ایک سے لے کر چھ تک کوئی خاص ہندسہ ذہن میں رکھ کر پانسہ پھینکوں تو میرے چنیدہ خاص ہندسے کے اوپر آ جانے کے امکانات آزادانہ طور پر (randomly) 1/4 ہوں گے۔ اگر میں پانسے کو ایک خاص ہندسہ ذہن میں رکھ کر دو مرتبہ پھینکتا ہوں تو یہ امکان کہ میں دونوں مرتبہ صحیح وہی ہندسہ اوپر پاؤں گا 1/6X1/6 یعنی 1/36 کے برابر ہوگا۔

اسے Theory of Probability کہا جاتا ہے۔

اگر میں ایک پانسہ (dice) دو مرتبہ پھینکوں اور ایک (coin) سکہ ایک مرتبہ اچھالوں تو میرے درست اندازے کے امکانات 1/6 X 1/6 X 1/2 یعنی 1/72 ہونگے۔ لہٰذا آپ ان ملحد صاحب سے استفسار کریں کہ زمین کی شکل کے کیا امکانات ہوں گے؟ کچھ کہہ سکتے ہیں بیضوی شکل' کچھ کہیں گے گول' کچھ کہہ سکتے ہیں چپٹی' کچھ مستطیل

Marfat.com

صورت سے تعبیر کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ الختصر فرض کرتے ہیں زمین کی شکل کے حوالے سے دس امکانات پائے جاتے ہیں تو یہ امکان کہ کوئی ایک صحیح اندازہ لگا سکے گا۔ 1/10 کے مساوی ہے یعنی (10) دس میں سے ایک کا صحیح ہونے کا امکان پایا جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کی روشنی یا تو چاند کی اپنی ذاتی ہوسکتی ہے یا منعکس شدہ (مستعار) روشنی ہوسکتی ہے اس بنیاد پر آپ کا اندھادھند قیاس (wild Guess) یا تکا صحیح ہونے کے امکانات دو میں سے ایک یعنی 1/2 ہیں یا باالفاظِ دیگر 50 فیصدی ہیں۔

اب بیک وقت زمین کی صحیح شکل کے تعین اور چاند کی روشنی کے اتفاقیہ طور پر صحیح ہونے کے امکانات 1/10 X 1/2 یعنی 1/20 ہوں گے یعنی 20 میں سے ایک یا پانچ (5) فیصد امکانات ہوئے۔

جاندار مخلوقات کس شے سے بنی ہوں گی؟ کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں ریت' کچھ پتھر' ایلومیلیم' سونے (Gold)' پانی' چاندی (Silver) کی بات کر سکتے ہیں۔ الغرض ہزار طرح سے "مفروضہ تخلیق" گھڑا جاسکتا ہے۔ مگر یہ امکانات کہ آپ کا "تکا" صحیح نکلے ریاضیات کی رو سے 1/1000 قرار پاتا ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ آپ کے تینوں "تکے" صحیح ہی ہوں یعنی زمین بیضوی شکل کی ہو' چاند کی روشنی ادھار لی گئی روشنی ہو اور ہر جاندار مخلوق پانی ہی سے بنی ہو تو بیک وقت ان سب کے صحیح ہونے کے امکانات

"1/1000 X 1/2 X 1/10 یعنی 1/20,000 ہوں گے۔ باالفاظ دیگر 005. فیصد امکانات ہونگے۔ قرآن ایک ہزار (1000) سے زائد آیات مبارکہ میں ٹھوس سائنسی شواہد بیان کرتا ہے۔ اگر تین آیات کی رو سے درستگی کے امکانات 005. فیصد ہوئے تو ریاضیاتی علم امکان کی رو سے تمام امکانات Zero یا صفر ہو جاتے ہیں یعنی اس قدر کم کہ ان کی حیثیت یا وقعت کالعدم ہو جاتی ہے اور ریاضی کے مطابق جو عدد بھی 1^{50} (یا ایک کی قوت 50 کے برابر) ہو وہ صفر یا Zero کے مساوی ہوتا ہے۔

سو اب اپنے ملحد دوست سے پوچھیئے ذرا کہ یہ سب کچھ کس نے لکھا ہوا ہوگا؟ تو وہ صرف ایک ہی جواب آپ کو دے پائے گا یعنی پہلے سوال والا جواب کہ

Marfat.com

"خالق یا The Creator"

یعنی مینوفیکچرر یا پروڈیوسر یا وہ شخص جس نے اس شے کو بنایا ہوگا۔ فی الحقیقت یہی جواب صحیح ہے اور دیگر کوئی جواب بے معنی ہے۔

جدید سائنس کا یہ کہنا ہے کہ وہ خدا کی نفی نہیں کرتی بلکہ وہ "نمونہ خداوندی" Models of God کی نفی کرتی ہے لا الہ الا اللہ سائنسدان خدا کی نہیں خدائی تمثالوں کی نفی کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ آپ کے سوال کا جواب ہوگا۔

سوال: میں جاوید ہوں اور طالب علم ہوں۔ پوچھنا یہ چاہوں گا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ تو یوں کہا گیا ہے کہ انسان جرثومہء حیات سے تخلیق کیا گیا جبکہ دوسری طرف یوں بھی کہا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی (Dust) سے ہوئی۔ جرثوے یا Sperm والی بات تو سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ مگر کیا یہاں Dust اور Sperm کے اختلاف سے قرآن مجید اپنی ہی تکذیب و تردید نہیں کر رہا ؟ یا یہ جدید سائنس کے نظریے سے موافق ہے؟

ذاکر نائیک : بھائی کا سوال ہے کہ قرآن حکیم ایک جگہ تو بیان کرتا ہے کہ انسان جرثوے یا Sperm سے تخلیق کیا گیا جو سائنسی نکتہ نگاہ سے درست ہے جبکہ دوسری جگہ قرآن میں ہی مرقوم ہے کہ انسان کو "مٹی" سے پیدا کیا گیا۔ یوں کیا قرآن حکیم خود تردیدی نہیں کر رہا؟ یعنی ایک جگہ جرثومہء حیات اور ایک مقام پر مٹی۔

قرآن حکیم بجا طور پر سورۂ قیمٰہ کی آیات مبارکہ 37 تا 39 میں ارشاد فرماتا ہے کہ نوع انسانی کی تخلیق جرثومہ تولید یا Sperm سے ہوئی جسے جدید سائنس بھی ثابت کر چکی ہے۔ قرآن مقدس سورۂ حج کی آیہ مبارکہ 5 میں بھی فرماتا ہے کہ

خلقنكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة

"پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر ایک بوٹی سے۔"

آج کی سائنس بھی یہ حقیقت آشکارا کرتی ہے کہ وہ تمام عناصر ترکیبی جن سے انسان کی تخلیق ہوئی، کم وبیش مقدار میں، زمین کی مٹی میں پائے جاتے ہیں تو یہ کہنا کہ انسان مٹی سے بنا' سائنسی طور پر ایک ثابت شدہ امر ہے۔ اور انسانی بدن کے اجزائے ترکیبی کم یا زیادہ مقدار میں ایک مخصوص تناسب سے زمین میں موجود ہیں۔ آپ کے سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ قرآن خود تردیدی کا مرتکب ہورہا ہے یعنی دو جگہوں پر دو مختلف باتیں پائی جاتی ہیں کہ یا تو انسان جرثومہ تولید سے تخلیق ہوا ہے یا خاک Dust سے۔

یہ جان لیجئے کہ تردید اسے کہتے ہیں جو دو ایسے بیانات پر مشتمل ہو جن میں سے ایک بیان دوسرے کا متضاد ہو۔ فی الواقع ان دو بیانات میں سے صرف ایک بیان ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ قرآن یہی نہیں کہتا کہ انسان Sperm سے زائیدہ ہے اور جرثومہ تولید سے پیدا ہوا ہے بلکہ قرآن مجید تو یہ بھی کہتا ہے کہ انسان پانی سے تخلیق کیا گیا ہے۔

وھو الذی خلق من الماء بشراً (سورہ فرقان ،آیہ مبارکہ 54)

''اور وہی ہے جس نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا۔''

آپ کہیں گے یہ تو تین تضادات ہو گئے اور آج کی سائنس میں یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان مٹی سے تخلیق ہوا' جرثومہ تولید سے تخلیق ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ پانی سے تخلیق ہوا۔

اگر میں آپ کو ایک بیان میں تو کہوں کہ چائے کا ایک کپ بنانے کیلئے مجھے پانی کی ضرورت ہے اور دوسرے بیان میں یوں کہہ دوں کہ چائے کا ایک کپ بنانے کے لئے مجھے چائے کی پتی درکار ہے تو یہ میری باتوں میں تردید نہیں ہوگی بنا برا ینکہ کہ مجھے دونوں چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ اگر میں شیریں چائے پینا چاہتا ہوں تو میں اس میں شکر گھولوں گا اور اگر میں '' دودھ پتی'' کے موڈ میں ہوا تو میں پانی کم اور دودھ زیادہ ڈالوں گا۔ اگر مجھے'' سلیمانی چائے'' کی طلب ہے تو میں صرف پانی سے کام چلاؤں گا۔

لہٰذا بعینہٖ جب قرآن کہتا ہے کہ انسان کی تخلیق جرثومہ تولید اور مٹی اور پانی سے ہوئی تو ہرگز' ہرگز کوئی خود تردیدی Self Contradiction نہیں کرتا بلکہ دراصل Contradistinction کا (Contradistinction) امتیازی خصائص کو اجاگر کرتا ہے۔

Marfat.com

مطلب ہے دو اشیاء کے بارے میں ایسے حقائق بیان کرنا جو باہم ایک دوسرے کی تردید نہ کرتے ہوں۔ مثال کے طور پر اگر میں کہوں کہ ایک فرد ایماندار ہے' مہربان ہے اور محنتی ہے تو میں Contradistinction کر رہا ہوں مگر اگر میں یوں کہوں کہ ایک بندہ سچا ہے اور ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے تو یہ خود تردیدی ہوگی اس لئے کہ بیان کردہ دونوں اوصاف باہم متضاد ہیں اور متضاد کا فرد واحد میں یکجا وقوع پذیر ہونا محال ہے اگر اوصاف باہم متضاد نہ ہوں تو یہ Contradistinction ہے۔ امید ہے یہ آپ کے سوال کا تشفی بخش جواب ثابت ہوگا۔

سوال: السلام علیکم بھائی! میرا نام فریدہ انصاری ہے میں پیشے کے لحاظ سے لیبارٹری ٹیکنیشن ہوں۔ پوچھنا چاہتی ہوں کہ قرآن مجید کے مطابق انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے کیا سائنس بھی اس بات سے اتفاق کرتی ہے؟

ذاکر نائیک: بہن نے پوچھا کہ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ خالق انسان ہے کیا سائنس اس سے متفق ہوتی ہے یا نہیں؟ اور قرآن میں متعدد جگہوں پر اس حقیقت کا ذکر ہوا جیسے سورہ مومنون کی آیہ مبارکہ 14 میں ارشاد ہے۔

الله احسن الخٰلقين

''اللہ سب سے بہترین خالق ہے۔''

کیا ہم سائنسی طور پر یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ خالق ہے تو ہمیں جواب قرآن سے ملتا ہے کہ ذرا بتاؤ تو سہی اے ابنِ آدم! کیا تم عدمِ محض سے پیدا نہیں کیے گئے؟

ام خلقوا من غير شى ء ام هم الخٰلقونO (سورہ طور 52' آیہ مبارکہ 35)

''کیا یہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے یا یہ اپنے خالق آپ ہیں؟''

توجہ طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں تخلیق کرنے والے کے لئے عربی کا لفظ ''خالق'' استعمال کیا گیا ہے جو عربی ہی کے لفظ ''خلق'' سے مشتق ہے عربی لفظ ''خلق'' کے

Marfat.com

چار معانی ہیں۔

(الف) ایک معانی ہیں عدم سے کچھ پیدا کرنا بغیر کسی مثال کے جو صرف اللہ سے ہی ممکن ہے۔

(ب) خلق کے دوسرے معانی ہیں پہلے سے موجود مواد کی مدد سے کچھ نیا تخلیق کر دینا مثلاً خشت و سنگ سے کسی صورتِ مکان کی تعمیر۔

(ج) تیسرے معانی کچھ یوں ہیں۔ منصوبہ بندی کرنا یا پروگرامنگ یا ترتیب دینا۔

(د) "خلق" کے چوتھے معانی ہیں کسی شے کو نک سک سے درست کرنا یا Smooth کرنا۔

قرآن حکیم سورۂ طور میں صلاءِ عام کے طور پر ایک سوال سامنے لاتا ہے کہ کیا تم عدم محض سے پیدا کیے گئے تھے؟ یقیناً بدیہی طور پر جواب نفی میں ہوگا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ انسان عدم محض سے نہیں تخلیق ہوا۔ محققین کی حیرت آخر ایک سمت' ایک قبلے کا رُخ کر کے رہتی ہے۔

عجیب ہے ترے بارے میں کوئی فیصلہ بھی

عجیب تر ہے یہاں کوئی پیش و پس میں ہو

قرآن مجید دوسرا سوال پیش کرتا ہے کہ بنانے والے تم تھے یا ہم (یعنی اللہ عزوجل) ہمیں خوب علم ہے کہ ایک انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کو پیدا کرنے سے عاجز ہے اگر آپ انسان تخلیق کر سکتے تو جیسے ہی وہ مرتا آپ اسے دوبارہ زندہ کر لیتے آپ کے رشتہ دار مرگ ناگہاں کی لپیٹ میں آتے تو آپ انہیں دوبارہ زندگی بخش دیتے۔ انسان تو ایک مکھی تک تخلیق کرنے سے عاجز ہے کجا اپنے ہی جیسے انسان کی تخلیق کرنا۔ اور نہ ہی آپ اپنی تخلیق کو اعضائے تولید کا وصف گردانیں گے۔ اس صورت میں آپ کو اپنی تخلیق کا ذمہ دار والدین کو' ان کے تولیدی اعضاء کو اور والدین کے والدین کو پھر ان کے اعضاء کو اور آباؤ اجداد کی طویل فہرست کو قرار دینا ہوگا۔ لہٰذا جواب نفی میں ہی ہے۔ قرآن مجید سورۂ واقعہ کی آیات مبارکہ 58 تا 59 میں اگلا سوال سامنے لا رکھتا ہے۔

Marfat.com

افرء یتم ما تمنون ٥ ء انتم تخلقونه ام نحن الخلقون ٥

"کیا کبھی غور کیا تم نے کہ جو نطفہ تم ڈالتے ہو کیا تم پیدا کرتے ہو اس سے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔"

یقیناً قرآن کے پیش کردہ یہ تمام سوالات انسان کو عاجز کیے دیتے ہیں البتہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی آفرینش ایک اتفاقی امر ہے یعنی فطرت یا Nature نے اسے خلق کیا وہ بس ایک اتفاق سے خلق ہو گیا۔ آئیں سائنسی طور پر جائزہ لیتے ہیں کہ نوع انسانی کی تخلیق امر اتفاقیہ By Chance ہے یا نہیں؟

پروٹین مالیکیول ایک جاندار خلیہ کا نہایت اہم حصہ ہوتا ہے۔ یہ مالیکیول پانچ عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ پانچ عناصر کاربن' نائٹروجن' ہائیڈروجن' آکسیجن اور سلفر ہیں۔ اور کئی دسیوں ہزار ایٹم مل کر ایک مالیکیول تشکیل دیتے ہیں۔ ایک ایٹم (5) پانچ عناصر سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ پانچ عناصر وہی کاربن' نائٹروجن' آکسیجن' ہائیڈروجن اور سلفر یا گندھک ہیں۔ قریب قریب 92 فری Elements یا عناصر موجود ہیں۔ ان 92 میں سے (5) پانچ کے ایٹم بنانے کے امکانات اور پھر ان ایٹموں کے مزید کتنے ہی درجن ہزار ایٹم یا جوہر بنانے کے امکانات جس سے ایک پروٹین مالیکیول تشکیل پا سکے زیر تحقیق لائے گئے اور انہیں ایک سائنسدان فرینک ویلم نے شمار کیا اور بتلایا کہ یہ امکانات دراصل 1^{260} (260 صفروں تک عدد کا تصور محال ہے) ہیں کیا آپ جانتے ہیں کہ 1^{260} کا مطلب کیا ہے اگر میں کہوں کہ $1X10^2$ تو اس کا مطلب ہوگا 100 سے میں ایک یعنی ایک فیصد امکان اور اگر یوں کہا جائیکہ $1X10^3$ تو اس کا مطلب ہوگا۔ 1000 میں سے ایک یعنی (.1) یا اعشاریہ ایک فیصد۔ اگر میں کہوں کہ $1x10^4$ تو یہ 10,000 میں سے ایک یا اعشاریہ صفر ایک فیصد (%.01) ہوگا۔ اور جب یہ شمار کیا گیا کہ 1^{260} تو جواب یوں برآمد ہوا کہ صفر' صفر' صفر' صفر' صفر' صفر الغرض 157 مرتبہ صفر لکھنے کے بعد 1 (ایک) عدد لکھا جائے تو اس قدر اتفاق یا Chance سے تخلیق انسان کے امکانات بنتے ہیں اور ریاضیات کے مطابق جو شے $1X10^{10}$ کے مساوی ہو اسے صفر یا ZERO سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو صرف ایک مالیکیول کی

Marfat.com

تشکیل کی بات ہے مزید برآں جو مواد ایسا ایک مالیکیول تخلیق ہونے کے لئے درکار ہے وہ چارلس گائے نے شمار کیا اور کہا کہ ہماری کہکشاں سے کئی گنا ضخیم مواد درکار ہے جو ایسا ایک پروٹین مالیکیول تخلیق کر سکے اور جب اس عمل کے لئے اس نے وقت کا تخمینہ لگایا تو کھلا کہ ایک مالیکیول کی تشکیل کیلئے دس کی قوت 10^{263} سال درکار ہیں۔ جانتے ہیں آپ؟ یہ کتنا عرصہ بنتا ہے ایک کے آگے صفر' صفر' صفر لگاتے چلے جائیں۔ 263 صفر پورے ہونے پر جتنے سال ہونگے اتنی مدت ایک پروٹین مالیکیول کی تشکیل میں صرف ہوتی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک خلیہ میں کتنے مالیکیولز ہوتے ہیں؟ اور ایک خلیہ میں دیگر کتنے مالیکیولز (Molecules) ملے ہوتے ہیں اور انسانی بدن میں کتنے خلیات ہوتے ہیں؟ اندازہ کیجئے آج ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے بدن میں چھ بلین مالیکیولز موجود ہوتے ہیں۔ ایک پروٹین مالیکیول 1 کی قوت 160 کے مساوی امکانات میں سے کہیں بنتا ہے اور 263 صفروں تک کے سال (1^{263}) کا عرصہ تخلیق اس ایک مالیکیول کے لئے درکار ہے جو ایک بچے کے بدن میں چھ ارب کی تعداد میں تشکیل پاتے ہیں تصور کریں اس وقت دنیا میں کتنی ہی ملین خواتین حاملہ ہیں اور صرف نو ماہ کے عرصے میں ایک بچہ جنم لیتا ہے۔ وہ امکانات جو سائنس ہمیں بتاتی ہے وہ صفر صفر صفر صفر ZERO کا ایک طویل سلسلہ ہیں۔ کہہ لیں گویا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

چاہے گرفتِ صوت و سماعت سے دُور ہو
مضرابِ دورِ چرخ کی اِک لے کوئی تو ہے

درحقیقت یہ سب کچھ اتفاق محض کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ یقینی طور پر کسی نے اس کی منصوبہ بندی کی ہے' تناسب رکھا ہے' ترتیب سجائی ہے۔ آج کی سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی ہے' کوئی فوق الفطرت قوت جس نے یہ سب کچھ تخلیق کیا۔ اسی لئے تو میں شروع میں بھی کہہ رہا تھا کہ سائنس خدا کی نفی نہیں کرتی البتہ تمثال ہائے خداوندی (Models of Gods) کا ابطال کرتی ہے۔)

لا الہ الا اللہ

امید کرتا ہوں میں آپ کے سوال کا بساط بھر جواب دے سکا ہوں۔

Marfat.com

سوال: قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر مرقوم ہے کہ آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں تخلیق کیا گیا۔ لیکن سورہ حم سجدہ میں ارشاد خدا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق آٹھ (8) دنوں میں مکمل ہوئی۔ کیا یہ تردید نہیں ہے؟ اسی آیہ میں آگے لکھا ہوا ہے کہ زمین کو چھ (6) دن اور بعد ازاں آسمانوں کو دو (2) دنوں میں خلق کیا گیا۔ یہ تو بگ بینگ کے نظریے کی نفی ہوئی جس کے مطابق آسمانوں اور زمین کی تخلیق بیک وقت عمل میں آئی۔

ذاکر نائیک: بھائی نے نہایت اہم سوال کیا کہ ایک طرف تو قرآن مجید کہتا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق چھ (6) دنوں میں مکمل ہوئی اور سورۂ حم سجدہ میں آٹھ (8) دن کا ذکر کیا گیا۔ کیا قرآن اپنی ہی بات کی تردید کرتے ہوئے انفجار کبیر (Big Bang) کے نظریے کا بھی رد نہیں کر رہا؟ میں آپ سے ضرور اتفاق کروں گا کہ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر زمین و آسمان کی تخلیق کا چھ (6) دنوں میں تکمیل پانے کا ذکر ہوا ہے۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام

(سورہ اعراف' آیہ مبارکہ 54)

"بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ (6) دنوں میں۔"

الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش۔ (سورۂ یونس' آیہ مبارکہ 3)

"اسی نے پیدا فرمائے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر عرش پر متمکن ہوا۔"

وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستّۃِ ایام (سورۂ ھود' آیہ مبارکہ 7)

"اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی چھ (6) دنوں میں۔"

الذی خلق السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام

(سورہ فرقان' آیہ مبارکہ 59)

"وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے چھ (6) دنوں میں پیدا فرمایا۔"

Marfat.com

الله الذی خلق السمٰوٰت والارض وما بینهما فی ستّة ایام
(سورۃ سجدہ' آیہ 4)

''اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ (6) دن میں پیدا فرمایا۔''

ھو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام (سورہ حدید' آیہ 4)

''اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ (6) دن میں خلق کیا۔''

مذکورہ آیات میں قرآن مختلف جگہوں پر یہی بات کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی آفرینش چھ (6) دنوں یا ایام میں ہوئی۔ یہ ہمارے زمینی شب و روز کا ذکر نہیں بلکہ ''ایام'' طویل دورانیے کی مدت کی بات ہے۔ سائنس کا اس دورانیہء آفرینش پر کوئی اعتراض ہے ہی نہیں اور ہاں میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ قرآن، آسمانوں اور زمین ہی کی پیدائش کے متعلق سورہ حم سجدہ میں کہتا ہے کہ

وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام ط سوآء للسائلین ۝ ثم استویٰ الیٰ السماء وهی دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعاً او کرهاً ط قالتا اتینا طآئعین ۝ فقضٰهن سبع سمٰوٰت فی یومین.

''اور (زمین) میں اندازے کے ساتھ خوراک وغیرہ رکھ دی 4 دنوں میں جو حاجتمندوں کو کافی ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جب وہ ایک دھواں تھا تو کہا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ (وجود میں) خوشی یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی اطاعت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ بنائے اس نے سات آسمان دو دن میں۔''

(شروع میں آیا ہے کہ ''خلق الارض فی یومین'' جس کا مطلب ہے کہ زمین کو دو دن میں بنایا گیا۔)

اب سرسری مطالعے سے تو یہی ظاہر ہوگا کہ دو جمع چار جمع دو تو ہوئے آٹھ۔ اب قرآن حکیم اس آیت کے بارے میں یوں لب کشا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی کو

Marfat.com

شریک ٹھہرائیں گے وہ اس آیت پر انگشت نمائی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ خدائے علیم و برتر کو اس حقیقت کا پتا ہے کہ ایسے لوگ آئیں گے جو اس آیہ مبارکہ پر معترض ہونگے۔ یہی لوگ مشرکین ہوں گے اور دیکھئے آج عیسائی مبلغین (Missionaries) بار بار اسی آیت کی بات کرتے ہیں اگر آپ کو بیرونِ ملک جانے کا اتفاق ہو تو میری طرح شاید آپ بھی اس بات سے شناسا ہوں کہ اس آیہ مبارکہ پر کیا کیا سوال نہیں کئے جاتے۔ مجھ سے بھی کئے گئے اور عیسائی مبلغین تو بالخصوص یہی سوال پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے پہلے سے پیش گوئی کردی ہے کہ لوگ اس آیت سے استدلال کریں گے اور ضرور اعتراض لائیں گے اور ایسے لوگ ہی مشرک ہوں گے۔ آئیں اس آیت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ مذکورہ سورہ مبارکہ کی پہلی دو آیات یعنی 9 اور 10 تو صاف کہتی ہیں کہ زمین دو دنوں میں تخلیق ہوئی پھر اس میں پہاڑوں کو جما دیا گیا اور صحیح صحیح تناسب سے ہر شے کی (4) چار دنوں میں پرداخت کی گئی تو نتیجتاً دو دنوں میں زمین کی تشکیل ہوئی بعد ازاں دو دنوں میں پہاڑ جما دیئے گئے پھر اس میں دو دن مزید جمع کر دیئے جائیں تو پورے چھ دن ہو جاتے ہیں۔ پھر آیہ مبارکہ نمبر 11 میں لفظ ''ثم'' استعمال کیا گیا ہے اور عربی زبان میں لفظ ''ثم'' کا تین مختلف معانی سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اوّل: پھر، تب۔

دوم: مزید برآں یا نیز

سوم: بیک وقت، ساتھ ہی ساتھ یا اسی وقت میں۔

مجھے اچھی طرح اس مغالطے کا علم ہے کہ اکثر مترجمین قرآن حکیم نے لفظ ثم کو یہاں ''پھر یا Then'' کے معانی میں برتا ہے اور میں آپ کو واضح کیے دیتا ہوں کہ اگر ''ثم'' کا ترجمہ پھر، تب یا Then کے معانی میں کر دیا جائے تو یقینی طور پر قرآن کی خود تردیدی ثابت ہوتی ہے جبکہ ''ثم'' کے ساتھ کہا گیا کہ آسمانوں کی تخلیق دو (2) دنوں میں مکمل ہوئی یہاں ''ثم'' کے معانی بیک وقت کے ہیں اور یہی صحیح معانی ہمیں بتاتے ہیں کہ دورانیہ تخلیق آٹھ (8) نہیں بلکہ چھ (6) ہی دنوں پر مشتمل ہے۔ الحمدللہ، عبداللہ یوسف علی نے قرآن کے ترجمے میں یہاں موجود لفظ ''ثم'' کا ترجمہ مزید کے معانی میں کیا جو درست ہے۔ لہٰذا اگر آپ ''ثم'' کو مزید یا بیک وقت کے معانی میں لیں گے تو واضح ہوگا کہ جب زمین اور

Marfat.com

پہاڑوں کی تخلیق چھ (6) دنوں میں ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ دو دنوں میں آسمانوں کو بھی تخلیق کرلیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر جیسے ایک معمار اپنے تعمیری منصوبے کی بابت لکھتا ہے کہ میں نے ایک دس منزلہ عمارت تعمیر کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحن اور اس کے احاطے کی دیوار بھی پورے چھ ماہ میں مکمل کی ہے۔ جب کوئی شخص اس عمارت کا کوئی فلیٹ خریدنے کی خاطر وہاں جاتا ہے اور مزید تفصیلات کا خواہاں ہوتا ہے تو معمار کہتا ہے کہ مجھے عمارت کا زیریں حصہ یعنی Basement تعمیر کرنے میں دو ماہ کا عرصہ لگا اور دس منزلہ عمارت پوری کرنے میں چار (4) ماہ الگ سے لگ گئے اور عمارت کے زیریں حصے اور بالائی منزلوں کی تعمیر کے دوران میں نے ساتھ ہی ساتھ اردگرد کا حصہ اور احاطے کی دیوار بھی دو ماہ میں مکمل تعمیر کرلیے۔ یہ بجا طور پر ممکن ہے۔ وہ کوئی تردید نہیں کر رہا کیونکہ اخیر میں آپ دیکھیں گے پورے چھ (6) ماہ ہی بنتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مذکورہ آیہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ زمین اور پہاڑوں کی چھ دن میں تخلیق کے ساتھ ساتھ اسی دورانیے میں آسمانوں کی تخلیق مکمل کی گئی یعنی ثم بمعنیٰ Simultanously کوئی تردید نہیں ہے۔ اور یہی نہیں اگر آپ ثم کو تب یا Then کے معانی میں برتیں تو سائنسی طور پر ہم ایک اور ہی اشکال سے دوچار ہوں گے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ زمین تو پہلے معرض وجود میں لائی گئی پھر پہاڑ بنائے گئے؟

ایک اور جگہ قرآن مجید' سورہ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ق ثم استویٰ الیٰ السمآء۔ (سورہ البقرہ' آیہ 29)

''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ ساتھ ہی ساتھ آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔''

مگر اس مقام پر بدقسمتی سے عبداللہ یوسف علی نے ثم کا ترجمہ Then یا پھر کے معانی میں کردیا جو غلط ہے ان کے ترجمے کی رو سے اللہ نے زمین کو بنایا پھر آسمان تخلیق کیا تو یہ صاف تردید ہے۔ حتیٰ کہ اس آیہ مبارکہ میں بھی ''ثم'' کا ترجمہ ''مزید برآں'' یا اس کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اس صورت میں یہ بگ بینگ یا انفجار کبیر کے نظریے سے بھی ہم آہنگ

ہوگا۔ جس کے مطابق زمین اور آسمان بیک وقت یا ساتھ ہی ساتھ معرض وجود میں آئے۔
حیرت کیسی کہ قرآن تو متعدد جگہوں پر فرماتا ہے کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو خلق کیا۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ہے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کو تخلیق کیا (یہاں زمین اور آسمان معکوس ترتیب سے مذکور ہیں) سورہ انبیاء کی آیت کی گواہی دیتے ہوئے جواب ختم کروں گا۔

اولم یرالذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتارتقا ففتقنھما ط
(سورہ 21' آیہ مبارکہ 30)
''کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا' جدا کر دیا۔''

سوال: میں آپ کے علم الحیوانات کے سائنسی حوالے کو نگاہ تحسین سے دیکھتا ہوں جس میں آپ نے کمال مہارت اور ژرف بینی سے جانوروں میں دوجنسی نظامِ تولید کی وضاحت کی ہے۔ میں پوچھنا یہ چاہوں گا کہ کیا آپ جانوروں میں اور پودوں میں ''تغیر جنس'' کی قرآن مجید کی روشنی میں حمایت کرتے ہیں؟ وہ تغیر جنس جو غذائیت اور ماحول کے بدلنے سے واقع ہوتا ہے۔ مزیں برآں کیا آپ پودوں میں' بار آوری کے عمل کے بغیر پھل پھول کی نمو کی توجیہہ کر سکتے ہیں؟ براہ کرم قرآن حکیم کی روشنی میں جواب دیں شکریہ۔

ذاکر نائیک: بھائی نے نہایت اچھا سوال پوچھا ہے کہ سائنسی طور پر یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کچھ پودے خود میں ''دوجنسی'' رویہ رکھتے ہیں۔ جیسے انناس' کیلا' سنگترہ اور ایسے ہی کچھ دیگر پودے۔ بھائی اگر آپ نے میری گفتگو توجہ سے سنی ہوئی ہے تو آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے واضح طور پر کہا تھا کہ ''حتیٰ کہ وہ پودے بھی جن میں ''دوجنسی'' نظام موجود ہوتا ہے' مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جنہیں ہم Male اور Female سے متصف کرتے ہیں اور یہ قرآن کی روشنی میں بھی واضح ہے۔'' رہا بغیر بار آوری کے عمل کے پھول پھل کی نمو کا سوال تو تجزیہ کرنے پر آپ جان پائیں گے پھل یا ثمر تو تولید نو یا Reproduction کا نتیجہ ہے اور

یہ اعلیٰ سطح کے پودوں کا حاصل الحصول End Product ہے۔ پھل سے پہلے پھول شاخوں پر کھلتے ہیں اور پھولوں میں دونوں تذکیر و تانیث کے حصے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں سیٹے منز اور اوپولز سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب زردانے آ چکتے ہیں تو ہم پھل حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں پھل یا ثمر بیج وغیرہ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ایسے پودوں کے پھل کو Parthenocarpic کہتے ہیں۔ اور ان میں بھی تذکیر و تانیث کے امتیازی خصائص پائے جاتے ہیں۔ انہی کی طرف قرآن مجید کا اشارہ ہے۔ سورہ رعد کی آیہ مبارکہ ملاحظہ ہو۔

ومن كل الثمرات جعل فيها زوجين اثنين. (سورہ رعد' آیت مبارکہ 3)

''اور اس نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے۔''

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ ابتدائی انسان Homo sapians کی ارتقاء کے حوالے سے ڈاروان کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ طبعی انتخاب کا عمل ہے یعنی انسان ارتقاء کے عمل سے گزر کر یہاں تک پہنچا۔ کیا یہ اسلامی عقیدے سے متصادم نہیں ہے جس کی رو سے ہم تمام انسان فرد واحد آدمؑ کی اولاد ہیں۔ آپ یہاں اسلامی عقیدے کو سائنس کے تناظر میں کیسے ثابت کریں گے؟

ذاکر نائیک: یہ سوال بہت اہم ہے میرا کوئی بھی لیکچر جو اسلام اور جدید سائنس کے موضوع پر ہو اس سوال کے بغیر نامکمل ہوگا۔ میں نے کینیڈا' سعودی عربیہ الغرض جہاں کہیں بھی لیکچر دیا یہ سوال ضرور اٹھایا گیا کہ ڈارون کی تھیوری آف ایوولیشن یا نظریہ ارتقاء اسلامی نکتہ نگاہ سے کیا رشتہ رکھتا ہے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء اسلام میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ سب سے پہلے میں واضح کردوں کہ میں نے آج تک ایسی کوئی کتاب نہیں دیکھی جس میں ''حقیقت ارتقاء'' کو موضوع بنایا گیا ہو دراصل تمام کتابیں محض ''ارتقاء کے نظریے'' کی بات کرتی ہیں یقین جانیں ایسی کوئی کتاب نظر سے نہیں گزرتی جس میں ''ارتقاء کی حقیقت'' سے بحث کی گئی ہو۔

اگر آپ چارلس ڈارون کی کتاب ''اصل انواع'' کا مطالعہ کریں تو عیاں ہوگا کہ چارلس ڈارون ایک جزیرے گیلیگڑ اپس پر گیا اس نے جس بحری جہاز سے سفر کیا اس کا نام

Marfat.com

ایچ ایم ایس بی گل تھا۔ اس نے وہاں مشاہدہ کیا کہ پرندے مخصوص آسانی کی چٹانی جگہوں کو اپنی چونچ سے کھودتے تھے۔ یہ مخصوص ماحولیاتی حوالے سے ڈھلی ڈھلائی جگہیں تھیں جہاں اس مقام کی مناسبت سے پرندے چونچ استعمال کرتے اب اس حساب سے ہر پرندہ اس جگہ کو کھودتا جہاں تک اس کی چونچ کی رسائی ہوتی یعنی ہر پرندہ چونچ کی لمبائی پر انحصار کرتے ہوئے اپنے مطلوبہ مقام کو جا پہنچتا اور یہ مشاہدہ صرف ایک ہی نوع کے پرندوں کا تھا۔ ہرگز ہرگز تمام انواع کا مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔

بعد ازاں چارلس ڈارون نے اپنے ایک دوست تھامس کو خط میں لکھا (1861ء) ''کہ میں طبعی انتخاب پر یقین نہیں رکھتا (وہی Natural Selection جس کا آپ ذکر کر رہی ہیں) اور یقین رکھوں بھی کس طرح کہ میرے پاس ''نظریہ ارتقاء'' کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت موجود ہی نہیں ہے ہاں صرف اور صرف اس طبعی انتخاب پر ایک وجہ سے یقین رکھے ہوئے ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ یہ مجھے ایمبر یالوجی' مارفالوجی (اعضاء کی ساخت کا علم) اور ابتدائی ساخت کے اعضاء کی درجہ بندی میں مدد دیتا ہے اور میں اس کی بنیاد پر مختلف انواع کی آسانی سے گروہ بندیاں کر پاتا ہوں۔'' چارلس ڈارون خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ کڑیاں نہیں ملتیں یعنی درمیان میں کہیں کہیں ٹوٹی کڑیاں یا Missing Links موجود ہیں۔ وہ خود اس نظریے سے متفق نہیں ہے۔ اس لئے اگر مجھے کسی کی توہین مقصود ہو تو میں کہوں گا کہ ''اگر تم ڈارون کے زمانے میں پیدا ہوتے تو اس غریب کا نظریہ درست قرار پاتا۔'' یعنی کسی کا یوں مضحکہ اڑانا کہ تم بوزنہ یا بندر لگتے ہو۔

رہی یہ وجہ کہ یہ نظریہ دنیا بھر میں ایک مصدقہ حقیقت کی طرح پڑھایا جاتا ہے جیسا کہ میں نے اپنے وقت میں سکول میں پڑھا اور آج بھی یہ داخل نصاب ہے۔ تو وجہ جانتے ہیں اصل میں کیا ہے؟ وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ کلیسا سائنس کا شدید مخالف تھا۔ ماضی میں آپ کو علم ہوگا کہ ''صاحبانِ کلیسا'' نے گلیلیو کو سزائے موت سنا دی تھی محض اس لئے کہ گلیلیو نے ''مقدس انجیل'' کے متصادم فلکیاتی حقائق بیان کئے تھے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس سزائے موت کی صورت میں شدید سائنسی مخالفت کی پاپائے روم آج معافی مانگ رہا ہے۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

Marfat.com

اس پس منظر میں جب سائنس کی اشاعت زوروں پر تھی اور کلیسا کی مخالفت ایک ''مروجہ فیشن'' بن چکا تھا، جب ڈارون صاحب نے اپنی کلیسا و انجیل مخالف تھیوری پیش کی تو کسی نے بھی مناسب ثبوت کا تقاضا تک نہ چاہا اور ہر طرف سے اس برخود غلط نظریے کی شدومد سے حمایت کی جانے لگی۔ دیکھیں میرے دشمن کا دشمن تو میرا دوست ہوا ناں؟ اس لئے تمام سائنسدانوں نے بڑھ چڑھ کر ڈارون کی حمایت کی کیونکہ یہ نظریہ انجیل اور کلیسا کی مخالفت کرتا تھا اس لئے حمایت نہیں کی کہ یہ نظریہ صحیح تھا بلکہ صاحبان کلیسا کو جھٹلانا مقصود تھا۔

سائنس ارتقائے انسانی کے چار مراحل پر مفروضہ قائم کئے ہوئے ہے۔ پہلا برفانی دور کا مرحلہ جو قریباً ساڑھے تین ملین (35) لاکھ سال قبل گزرا۔ سائنس کا کہنا ہے کہ ہومونائیڈز کی اقسام 4 ہیں۔ پہلا لوسی یا Lucy ہے ان کے ساتھ ساتھ آسٹریلوپتھکس (Australopithecus) ہیں جو تین ملین سال پہلے معدوم ہوگئے۔ بعد ازاں ہوموسیپنز (Homo Sapians) آئے جو 5 لاکھ سال قبل معدوم ہو گئے۔ پھر نینڈر رٹول مین کا گزر ہوا یہ[1] (Neandertal men) نوع ایک لاکھ سے 40 ہزار سال قبل فنا ہوگئی آخر میں یعنی چوتھے مرحلے پر کرومینن کا گزر ہوا۔

ان چاروں کے بیچ سرے سے کوئی ربط بنتا ہی نہیں ہے۔ کوئی Link ہے ہی نہیں۔ 1971ء میں گراسے نے جو پیرس میں علوم ارتقا کے شعبے کا صدر تھا کہا کہ ہم فوسلز کی بنیاد پر نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون تھے یہ مضحکہ خیز حد تک لایعنی بات ہے۔

میں آپ کو ایسے سینکڑوں سائنسدانوں کی ایک طویل فہرست دے سکتا ہوں جن میں سے کئی نوبل پرائز ونرز تھے ان سب نے مکمل طور پر ڈارون کے نظریے کی مخالفت کی۔ جیسے سرالبرٹ جاجی جنہیں وٹامن سی (C) کی دریافت پر نوبل پرائز دیا گیا انہوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی تردید میں "Crazy Ape and Men" (احمق بوزنہ اور انسان) کے

1۔ ماہرینِ بشریات و آثار قدیمہ (Anthropologist and Archealogists) کا کہنا ہے کہ نینڈرٹل نسل کا وجود تھا۔ یہ ''نیم انسان'' اپنے مردوں کو دفناتے تھے اور ان کے باقاعدہ قبرستان بھی دریافت کیے جانے کے دعوے کیے جاتے ہیں جہاں اُن کی ہڈیوں کے اردگرد ریچھ بھی مدفون پائے گئے جن سے نینڈرٹل نسل کا ریچھ کے ساتھ کسی پُراسرار عقیدے کا تصور منسوب کیا جاتا ہے۔

البتہ کرومینی نسل کے حوالے سے نامکمل تحقیقات فرانس میں موجود ''کرومینن غار'' پر آکر دم توڑ دیتی ہیں۔

Marfat.com

نام سے کتاب لکھی۔ اگر آپ سرفریڈز کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ کیسے اس نے ڈارون کے نظریہ کو وہم باطل سے تعبیر کیا ہے بہت سے لوگ ہیں بے شمار سائنسدان ہیں جو سرے سے اس نظریہ کے منکر ہیں۔ روبرٹس البرٹ ہی کو لیں اس نے ارتقاء کا ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے جو ڈارون کی تھیوری کے مخالف ہے۔ یہ نظریہ ناقابل تصور ہے آپ سوچ تک نہیں سکتے کہ آپ بندر کی کوئی اوٹ پٹانگ شکل ہیں۔ اگر آپ کو سرفرینک سیلسبری جیسے ماہر حیاتیات کا علم ہو تو میں بتاتا چلوں کہ ان کا کہنا ہے کہ ڈارون کے نظریے پر یقین کرنا قطعی غیر منطقی اور بے عقل بات ہے۔ سر وائٹ سیٹ کی سنیے وہ بھی ماہر حیاتیات ہیں انہوں نے ڈارون کے نظریے کے خلاف ایک پوری کتاب لکھی ہے۔ ایسے متعدد سینکڑوں سائنسدان ہیں جو اس نظریے کی واضح مخالفت کرتے ہیں اس کے باوجود یہ نظریہ آج بھی سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ میں آپ کو اس کی اصل وجہ بتلاتا ہوں "کیوں پڑھایا جاتا ہے"

"دراصل میڈیا "اُن" کے ہاتھوں میں ہے۔"

بصورت دیگر کوئی ٹھوس ثبوت سرے سے موجود ہی نہیں ہے جس سے اس تھیوری کا سچا ہونا ثابت ہو سکے ہاں کچھ "نیم ثبوت" ایسے ضرور موجود ہیں جیسے نچلی سطح کے حیوانات میں امیبا اپنی جون بدل کر پیرامیشیم کی شکل میں ڈھل سکتا ہے اور سن لیں قرآن حکیم ہرگز نہیں کہتا کہ امیبا کہیں پیرامیشیا میں نہیں بدل سکتا۔ اگر ان ڈارون نظریے کے حامی سائنسدانوں کے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہیں تو لائیں یہ نظریہ قرآن مجید کی مخالفت بہر حال نہیں کر سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سرے سے کوئی ثبوت ہی نہیں مل رہا لوگ مالیکیول اور حیاتیاتی تھیوری کی بات کرتے ہیں وہ انسان کے جینیاتی نظم (Genetic Coding) کی بات کرتے ہیں تو سنیے ہین سنگر یڈ کے مطابق جو اس میدان میں سند کا درجہ رکھتے ہیں بوزنہ سے انسان بننے کا تصور بھی محال ہے قبلاً ہم نے امکانی ریاضیات کی بات کی ہے یہ امکانات کہ ایک DNA بندر سے انسان کی تشکیل کر سکے Zero کے مساوی ہیں۔ اگر میں پھر سے امکانات کا شمار شروع کر دوں تو آپ بور ہونے لگیں گے۔ وہی امکانی شماریات جن کا اطلاق ایک مالیکیول کی تشکیل پر ہوتا ہے۔ DNA پر بھی لاگو ہوتی ہیں (جو درحقیقت صفر Zero ہیں) ایسا فی الواقع ممکن ہی

Marfat.com

نہیں ہے کہ انسان بندر کی کوئی شکل ہو۔ آپ نے حالیہ دریافت شدہ نظریے کے بارے میں سنا ہوگا کہ ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) کا عنصر انسان کے جینز میں موجود ہوتا ہے۔ میں نے جب ٹائمز آف انڈیا میں یہ مضمون پڑھا تو مجھے یقین ہوگیا کہ میرے اگلے اتوار کے لیکچر میں اس کے بارے ضرور سوال کیا جائے گا تو صاحبو "اگر ہم جنس پرستی" انسان کے Genes میں شامل ہے تو اللہ ہمیں کسی بدکاری کا کیوں الزام دینے لگا؟ قرآن مجید ہم جنسیت کی مخالفت اور تردید کرتا ہے اور میں نے سوچا کہ ابھی تک تو یہ محض ایک تھیوری ہے صرف Theory اور جب تک یہ کسی ٹھوس بنیادوں پر استوار نہ ہو اس کے بارے میں بات کرنا فضول ہے۔ کچھ ہی مہینوں میں یہ تھیوری نہ صرف باطل ثابت ہوگئی بلکہ یہ ہم جنسیت کی تھیوری پیش کرنے والا بھی خود ایک ہم جنس پرست نکلا۔ اسی لئے میں نے کہا کہ میں اپنی گفتگو میں مصدقہ حقائق کو ملحوظ رکھوں گا کسی فرض شدہ Theory کو نہیں اور ڈارون کی تھیوری نہ تو ثابت ہوئی ہے نہ ہی کوئی ٹھوس ثبوت مل پایا ہے کہ ہم بندر سے بدل کر انسان کی صورت میں ڈھلے سینکڑوں سائنسدانوں نے تھیوری کی شد و مد سے مخالفت کی اور آج تک کر رہے ہیں۔ قرآن بھی اس کا مخالف ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ پہلا انسان آدمؑ کی صورت میں تھا انشاء اللہ ہم اسے مستقبل میں سائنسی بنیادوں پر ایک ثابت شدہ حقیقت کی شکل میں دیکھیں گے۔ چاہے 100 سال بعد چاہے 1000 سال بعد۔ جدید تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ نوع انسانی ایک جوڑے (Pair) سے ظہور میں آئی۔ مگر یہ محض ایک تھیوری ہے ابھی تک ایک نظریہ ہے اگرچہ یہ قرآن مجید سے کلیتاً اتفاق کرتی ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک عورت ایک مرد کے Pair سے ظہور پذیر ہوئے۔ چونکہ سائنسی بنیادوں پر یہ محض ایک Theory سے زیادہ کچھ نہیں اس لئے میں اپنی کسی بات میں کبھی اس کا حوالہ نہیں دیتا۔ انشاء اللہ 100 یا 50 سال بعد یہ تھیوری ثابت شدہ حقیقت کے طور پر قرآن مجید کی ہمنوا ہوگی۔ تاحال قرآن حکیم کسی بھی مسلمہ سائنسی حقیقت سے متصادم نہیں ہے۔

Marfat.com

سوال: اسلام علیکم میرا نام عبدالسمیع ہے ایک طالب علم ہوں۔ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ منکرین حق کے دلوں پر مہر ثبت کردی جاتی ہے لیکن جدید سائنس کی رو سے تو یہ ذہن انسانی ہے جو سوچتا محسوس کرتا ہے' دل نہیں۔

ذاکر نائیک: بھائی نے سوال پوچھا کہ اللہ کافروں اور منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جبکہ آج کی سائنس کا کہنا ہے کہ سوچنا محسوس کرنا تو فعل ذہن ہے نہ کہ فعل دل ہے۔ تو میں استفسار کرنے والے بھائی سے اتفاق کرتا ہوں کیا قرآن فرقان غیر سائنسی بات نہیں کر رہا؟ قرآن مجید متعدد جگہوں پر فرماتا ہے جیسے سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ

(سورہ البقرہ ' آیہ مبارکہ 7)

"اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔"

یہاں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اگر آپ عربی کے لفظ "قلب" سے شناسا ہوں تو واضح ہوگا کہ "قلب" دو معانی میں مروج ہے۔

اوّل: دل یا Heart

دوم: تعقل یا Intelligence

اگر صحیح مفہوم کی رو سے پرکھا جائے تو واضح ہوگا کہ "اللہ نے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو سلب کر لیا ہے۔" یہی صحیح ترجمہ ہے۔ اور یہ سائنس کے عین مطابق ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تعقل یا Intelligence پر مہر لگانا مقصود ہے نہ کہ ایک عضو بدن یعنی دل پر۔

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ "بھائی ذاکر! چلیے میں مانے لیتا ہوں کہ "قلب" کا مطلب دل بھی ہے اور تعقل کی صلاحیت بھی (جسے Intelligence سے موسوم کیا جاتا ہے) مگر ذاکر بھائی! قرآن مجید کی ایک آیت میں تو یوں آیا ہے کہ "ان کے دل ان کے سینوں میں ہیں۔" اس کی آپ کیا توجیہہ کریں گے؟ دراصل وہ صاحب قرآن کی جس آیہ مبارکہ کو بطور سند پیش کر رہے تھے وہ سورہ حج کی 46ویں آیت ہے۔ ارشاد اللہ سبحان تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدورo

(سورۂ حج' آیہ مبارکہ 46)

''واقعہ یہ ہے کہ آنکھیں نہیں بلکہ وہ دل جو درمیان میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔''

تو قرآن کی نگاہ میں آنکھیں تو اندھی نہیں ہیں مگر وہ قلوب جو سینوں میں ہیں یہاں ان کا اندھا پن واضح کیا گیا ہے۔ مگر سائنس کا کہنا ہے کہ دیکھنا تو فعل چشم ہے قلب تو نہیں دیکھتا۔ سو یہ آیت غیر سائنسی ٹھہرتی ہے۔

تو ذاکر بھائی! یہاں ترجمہ ضرور مشکل ہوگا کہ آنکھ ہی اندھی ہوسکتی ہے۔

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یا Intelligence تو اندھی ہونے سے رہی'' تو میں نے ان بھائی سے عرض کی کہ واقعی میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ'' قلب'' کے دو ہی معانی ہیں مگر یہاں عربی لفظ'' صدر'' استعمال ہوا ہے جو دو معانی کا حامل ہے۔

اوّل: سینہ یا Breast

دوم: مرکز یا Centre

دیکھیں جب ہم کسی کو کسی مخصوص شعبے کا سربراہ کہتے ہیں تو اسے ''صدر'' سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ہمارے پاس بہت سے مراکز یا Centres بھی ہیں۔ دیکھ لیں پورے ہندوستان' پاکستان میں ''صدر'' مرکزی بازار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ فی الواقع صدر کا مطلب مرکز بھی ہے۔ تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ

''ان کی آنکھیں اندھی نہیں۔ یہ وہ Intelligence ہے جو ان کے Centres یا صدور میں ہے جو اندھی ہے۔''

(ہم دراصل کسی شعبے کے سربراہ کو انگریزی میں Head اور اردو میں ''صدر'' کہتے ہیں جس سے ہماری مراد ان کی کوئی اعلیٰ صلاحیت ذہن ہی ہوتی ہے۔ جدید ادبی انگلش میں تو کسی فطین آدمی کے لئے Great Head بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو محاورہ ہے ''عقل پر پردہ پڑ جانا۔'')

Marfat.com

یہی کچھ تو میں نے اپنے ابتدائی کلمات میں کہا جب میں نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ پڑھیں جو سورہ طٰہٰ کی 25 تا 28 ویں آیات ہیں۔

رب اشرح لی صدری o ویسرلی امری o واحلل عقدۃ من لسانی o یفقھوا قولی o (سورہ طٰہٰ آیات مبارکہ 25 تا 28)

اے میرے رب میرے لئے میرے ذہن کو وسعت بخش۔ اور میرے کام کو آسان بنا دے اور میری زبان سے رکاوٹوں کو دور رکھ تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔

یہ وہ دعا ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے تب کی جب اللہ نے انہیں لوگوں میں پیغام حق کی تبلیغ و اشاعت کا کہا۔ کیا موسیٰ علیہ السلام نے عرض گزاری کہ "اے میرے رب میرا سینہ میرے لئے وسیع کر دے؟" یہاں توقف کریں سوچیں! یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ سینہ یا Breast کو تبلیغ حق سے کیا ربط؟ دراصل موسیٰؑ کہہ رہے ہیں "اے میرے رب میرے مرکز" (مرکز سر) کو وسیع تر کر دے میرے لئے یعنی "رب اشرح لی صدری" اور مزید گویا ہیں کہ "ویسرلی امری" اور میرے فریضے کو آسان کر دے اور "**واحلل عقدۃ من اللسانی o یفقھو قولی**" اور میری زبان کی گرہیں کھول دے یعنی مجھے سہولت ابلاغ سے نواز تا کہ وہ لوگ (منکرین حق) میری بات کو سمجھ پائیں۔" جیسا کہ آپ کے علم میں ہے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ اور آپ سے کہتا چلوں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میری زبان میں بھی لکنت ہے۔ بچپنے میں میں ہکلاتا بہت تھا اسی لئے ہر آغاز گفتگو سے پہلے اور یہاں بھی لیکچر شروع کرنے سے پہلے میں اللہ سبحان تعالیٰ سے دعا گو ہوا کہ

رب اشرح لی صدری o ویسرلی امری o واحلل عقدۃ من لسانی o یفقھوا قولی o

میں اللہ سے مدد کی خاطر یہ دعا بھی مانگتا ہوں۔ آج تک گو کہ میری زبان سے ہکلاہٹ نہیں گئی مگر سٹیج پر مجمع کے سامنے ایسا نہیں ہوتا ہاں عام زندگی میں بات کرتے ہوئے

Marfat.com

میری زبان میں لکنت آ جاتی ہے۔ یہ اللہ کا اور صرف اللہ ہی کا کرم ہے کہ میں آپ ناظرین و سامعین کے سامنے نہیں ہکلاتا اور خدا سے پیہم دعا گو رہتا ہوں کہ میری زبان سے (Barriers) یا رکاوٹوں کو دور رکھ تا کہ میرے سامعین مجھے بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

اگر آپ سائنس کی رو سے سورہ حج کی مذکورہ آیہ مبارکہ کا تجزیہ کریں تو کھلے گا کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت وہ Intelligence جو ان کے مراکز میں ہے وہ کند ہو چکی ہے' ماند پڑ چکی ہے' اندھی ہو چکی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہیں درحقیقت یوں کہنا غیر منطقی اور غیر سائنسی ہوگا اس لئے کہ وہ دیکھ تو سکتے ہیں منکرین حق کی آنکھیں تو فعال ہیں مگر ان کی سمجھ بوجھ' چشمِ فہم یا Intelligence غیر فعال ہو گئی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ کی آیہ مبارکہ 18 میں ارشاد عالی ہے۔

صمّ بکم عمی فھم لا یرجعون

''بہرے' گونگے' اندھے ہیں وہ راہ (راست) کو نہ لوٹیں گے۔''

یہاں جسمانی طور پر بہرے مراد نہیں بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کا ایسا انکار کر رکھا ہے کہ وہ سنتے ہوئے بھی نہیں سن پاتے۔ وہ منکر اللہ کی نشانیاں کائنات میں جا بجا دیکھتے ہیں مگر ''آیات'' پر ایمان لانے کو تیار نہیں۔

اس حوالے سے قرآن مجید زیادہ سائنسی طور کلام سے کام لیتا ہے واقعی آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں یہ تفکر و تعقل کی صلاحیت ہی ہے جو ان کے مرکز (سر) میں اندھی ہوئی پڑی ہے۔

سوال: میں یہاں موجود سب لوگوں کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ قرآن ایمبریالوجی کی باریک ترین تفصیلات بھی پیش کرتا ہے۔ مگر وہ معجزہ کہ عیسیٰؑ نے کیسے جنم لیا اور آدمؑ کی تخلیق کیونکر ہوئی؟ کیا یہ تردید نہیں ہے کہ عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس کی سائنسی توجیہہ کیا ہے؟

ذاکر نائیک: بھائی کا سوال ہے کہ آپ سائنسی طور پر ثابت کر سکتے ہیں کہ عیسیٰؑ کی پیدائش کا معجزہ کیونکر رونما ہوا یعنی وہ بغیر باپ یا کسی مرد کی قربت کے بغیر کس طرح پیدا ہوئے؟ جیسے

Marfat.com

میں اپنی گفتگو میں کہہ چکا ہوں کہ معجزہ ایک غیر معمولی (معمول سے بالکل ہٹ کر) واقعہ ہوتا ہے جس کی کوئی بھی انسان توجیہہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس غیر معمولی واقعے کو ہم فوق الفطرت قوت یعنی خدائے بزرگ و برتر سے منسوب کرتے ہیں۔

گزشتہ عہد کے معجزات کا آج کی جدید سائنسی روشنی میں تجزیہ اس لئے ناممکن ہوگیا ہے کہ ہم ماضی میں واپس پلٹ کر نہیں جاسکتے۔ بہرحال چند ایک ایسے معجزات ضرور موجود ہیں جنہیں جانچنے اور پرکھنے کا موقع ہمیں حاصل ہے۔ محمد ﷺ کی آمد سے قبل تمام پیغمبران اکرام علیہ السلام اپنے ایک مخصوص گروہ کے لئے بھیجے گئے تھے ان تمام پیغمبروں کا پیام بھی ایک محدود عرصے پر عائد ہوتا تھا اس لئے ان کے ہاتھوں کوئی بھی معجزہ ایک محدود زمانے کے لئے معجزہ قرار پاتا ہے جو معجزات انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کے سامنے ظاہر کئے اس سے صرف ان کے عہد کے لوگ ہی مطمئن ہوئے اور مطلوب بھی یہی تھا۔ ایسے معجزات جیسے کہہ دینا کہ عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے کسی بھی منکر حق کے لئے کافی ثبوت نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کوئی بھی ماضی میں جاکر اس معجزے کی تصدیق تو کرنے سے رہا۔ چونکہ تمام گذشتہ پیغامبران اسلام ایک محدود زمانے کے نمائندہ تھے اس لئے ان سے کوئی ابدی یا دوامی معجزہ طلب کرنا بعید از انصاف ہوگا لیکن خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے افضل ترین اور آخری نبی ہیں' محض عرب کے صحرائیوں کے لئے ہی نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کا پیغام ابدی و دوامی ہے۔ ان سے معجزہ طلب کرنا بجا ہے اور ایسا معجزہ جسے آج بھی نقد و نظر کی سائنسی کٹھالی سے گزارا جاسکے ان سے طلب کرنا چاہیے اور ایسا معجزہ جو ابد کے ابد تک معجزہ ہے وہ قرآن حکیم ہے محمد ﷺ سے سینکڑوں معجزات کا صدور ہوا ہم مسلمان کسی اور معجزہ کو شور مچا مچا کر پیش نہیں کرتے کسی پر فخر نہیں کرتے ہاں اگر فخر کرتے ہیں تو وہ "قرآن فرقان وحکیم" ہے۔ ہم باقی معجزات کو سائنسی بنیادوں پر ثابت کر سکیں نہ کرسکیں قرآن مجید کو ایک زندہ و تابندہ معجزے کے طور پر ضرور پیش کریں گے یہ وہ معجزہ ہے جو محمد ﷺ کو اللہ نے خصوصی طور پر عطا کیا۔ رہے باقی انبیاء کے معجزات تو وقت' ماضی کی طرف لوٹتا نہیں کہ ہم ان کا جائزہ لیں یا ان کا محاکمہ کرسکیں بہرحال میں آپ کو ایک سائنسی توضیح بتا سکتا ہوں۔ دیکھیں آج کی سائنس ہمیں اس حقیقت سے روشناس کرواتی ہے کہ کچھ

Marfat.com

مخصوص انواع ہیں جو بغیر Male کے اپنی نسل بڑھانے پر قادر ہیں اور بہترین مثال Male Bee کی ہے۔ یہ ایک ایسا انڈہ ہے جو کسی Male کی قربت کے باعث ظہور نہیں کرتا یعنی مگس ملکہ یا Queen Bee جو انڈے دیتی ہے وہ بغیر کسی Male کی قربت کے، اخیر میں Male کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل مادہ مگس بغیر کسی میل کے انڈے دیتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں متعدد انواع ہیں جو بغیر کسی Male کی قربت کے وجود میں آتی ہیں۔ مجھے اس حقیقت کا بخوبی علم ہے کہ بغیر Male کے بارآوری صرف ادنیٰ درجے کے حیوانات میں ہی وقوع پذیر ہوتی ہے اور اعلیٰ درجے کے حیوانات میں ایسا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔ تو فیصلہ کون کرے گا سائنس تو عاجز ہے البتہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ عیسیٰؑ کا ایسا معجزاتی جنم ممکن ہے دیکھئے سورہ عمران کی 45 سے 47ویں آیت کہتی ہے

اذ قالت الملٰئکة یمریم ان اللہ یبشرک بکلمة منہ ق اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم وجیھا فی الدنیا والآخرة ومن المقربین ○ ویکلم الناس فی المھد وکھلاً ومن الصلحین ○ قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر ط قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء ط اذا قضی امرًا فانما یقول لہ کن فیکون○

''اس وقت کہا تھا فرشتوں نے اے مریم! بیشک اللہ تمہیں ''کلمہ من اللہ'' کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰؑ ابن مریم ہوگا۔ ذی وجاہت دنیا وعقبیٰ میں اور وہ مقربین میں سے ہوگا اور گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا میرے رب! میرے بچہ کیونکر ہوگا جب مجھے کسی نے نہیں چھوا۔ کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے کسی امر کا تو حکم دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے۔''

اللہ اپنی قدرت کاملہ سے اگر ایک Male Bee میں محض مادہ مگس سے افزائش نسل مگس کو ممکن کر سکتا ہے تو عیسیٰؑ کے معاملے میں تو یہ نہایت آسان ہوا ناں! وہ اللہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسکے بس ''کن فیکون'' کہنے کی دیر ہے ایسے لاکھوں لوگ بن باپ جنم لے سکتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ اللہ کے نزدیک سہل ترین سے بھی سہل ہے۔ بہر حال یہ ایک معجزہ ہے۔ میں آپ سے ہرگز نہیں کہہ رہا کہ عیسیٰؑ کی خدانخواستہ پیدائش اسی طور ہوئی جیسے Male Bee کی افزائش نسل ہوتی ہے۔ میں اس بارے میں نہیں جانتا۔ میں نے محض یہ سائنسی توجیہہ اس لئے دی ہے کہ اگر اللہ ایک شہد کی مکھی کے معاملے میں قانون تولید درہم برہم کر دیتا ہے تو ایک انسان کی بابت ایسا ناممکن کیونکر ہونے لگا؟

سوال: السلام علیکم! اپنے لیکچر میں آپ نے قرآن اور جدید سائنس کے ایسے حقائق بیان کیئے جو ثابت ہو چکے ہیں۔ کیا آپ کچھ ایسے حقائق بھی سامنے لانا چاہیں گے جو ہنوز سائنسی حوالے سے ثابت نہیں ہوئے؟ لیکن قرآن میں مذکور ہیں۔

ڈاکٹر نائیک: بہن نے سوال کیا ہے کہ میں نے قرآن مجید کے وہ حقائق بیان کئے جو سائنسی طور پر مسلمہ اور ثابت شدہ ہیں کیا میں چند ایک ایسے قرآنی حقائق بتلا سکتا ہوں جو ابھی تک سائنسی بنیادوں پر استوار نہیں ہوئے! یہی مثال لیں کہ قرآن مجید کی سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر 29 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن آیته خلق السموات والارض ومابث فیهما من دآبة :

''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور جو جاندار مخلوق ان میں پھیلائی ہے۔''

قرآن آپ سے کہہ رہا ہے کہ اس کرہ ارض کے علاوہ بھی زندگی پائی جاتی ہے۔ اور اللہ نے جاندار مخلوقات کو آسمانوں اور زمین میں پھیلا رکھا ہے۔ ابھی تک تو ایسے کوئی سائنسی شواہد سامنے نہیں آئے کہ اس زمین سے ماورا بھی کہیں حیات موجود ہے۔

اللـه الـذی خلـق سبـع سمـوات ومن الارض مثلهن یتنزّل الا مر بینهن. (سورۃ الطلاق' آیۃ12)

''اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انہی کی مانند زمینیں۔ ان سب کے درمیان اُس کا حکم اُترتا ہے۔''

خدائے غالب ہر چیز کا، ہر معاملے کا مدبرِ اعلیٰ ہے۔ تمام اعمال اُسی کی طرف لوٹتے ہیں اور قرآن کی مذکورہ آیۃ مبارکہ کے تناظر میں دائرہ حیات کی وسعت کا اندازہ، سائنس کی آنکھ سے اوجھل ہے۔

سائنسدانوں نے بے شمار خلائی سیارے اور راکٹ بھیجے ہیں اور حال ہی میں کوئی دو ماہ پہلے سائنسدانوں کو مریخ کی سطح سے ایسا مواد ملا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں زندگی کے آثار ممکن ہیں۔ اور شاید اسی لئے کل کے ''ٹائمز آف انڈیا'' میں لکھا تھا کہ چاند پر پانی دریافت ہوا ہے۔ اخبار کے مطابق بہت امکان ہے کہ کوئی Comet (دراصل کومٹ گیس اور برف کا دمدار شکل کا تودا ہوتا ہے) چاند کی سطح سے ٹکرایا ہوگا۔ اب چاند کی سطح پر پانی منجمد صورت میں موجود ہے۔ آئندہ ہمیں پانی ساتھ لے کر چاند تک نہیں جانا پڑے گا۔ ہم چاند ہی سے پانی حاصل کر کے استعمال کر لیا کریں گے۔ چلیں اتنی مشکلات سے جان چھوٹ جائے گی۔ سائنس کے بقول بہت امکانات ہیں کہ زمین کے علاوہ کہیں زندگی پائی جاتی ہو۔ مگر چونکہ قرآن اس بات کو بیان کر رہا ہے تو میں تو مانتا ہوں کہ زمین کے علاوہ بھی اس کائنات میں حیات پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے سائنس اس حقیقت کا انکشاف ایک سال، دو سال یا پچاس (50) سال بعد کر سکے۔

آج سائنسدان دنیا کے خاتمے کے حوالے سے مختلف آرا کے حامل ہیں۔ کسی کا نکتہ نظر یوں ہے کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں گے ایک اور زاویہ نظر بھی سائنسدانوں میں پایا جاتا ہے کہ پہاڑ اور چٹانیں زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے نتیجتاً زمین تہہ و بالا ہو جائے گی۔ کچھ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ سمندر اپنے ساحلوں سے اُمڈ اُمڈ کر پھوٹ بہیں گے کچھ سائنسدان فرماتے ہیں کہ تمام کی تمام کائنات کسی بلیک ہول (Black Hole) کا شکار بن جائے گی غرض بہت سی آرا ہیں۔ قرآن مجید بھی ''یوم الحساب'' کا ذکر کرتا ہے۔ کس طور یہ نظام زندگی اپنے انجام سے ہمکنار ہوگا۔ ان میں سے اکثر باتیں سائنسی نظریات یا آرا سے ہم آہنگ ہیں۔ سائنس نے ابھی تک محض مفروضے اور گمان ہی پیش کئے ہیں اور اس سلسلہ انجام کی کوئی مستند خبر فراہم نہیں کی۔ قرآن مجید کا کہنا ہے کہ

ماخلقنا السمٰوٰت والارض وما بینهما الا بالحق واجل مسمّی. (سورۃ احقاف' آیۃ3)

''نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ایک مقرر وقت تک کیلئے''

اللہ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ حیات بالآخر اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گی یہ سب کچھ ختم ہو کر رہے گا۔ جیسے سورہ قیٰمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وخسف القمرo وجمع الشمس والقمرo (سورۃ قیٰمہ، آیۃ مبارکہ 8تا9)

''اور چاند گہنا جائے گا اور سورج اور چاند ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے۔''

اذاالشمس کوّرت o واذا النجوم انکدرت o واذا الجبال سیرتo واذا البحار سجرت o (سورۃ تکویر' آیاتِ مبارکہ 1'2'3'6)

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔''

قرآن ایسی بہت سی علامات سے بھرا پڑا ہے کہ زمین کس طرح اپنے اختتام کو پہنچے گی۔ یہ ایسے سائنسی نکات ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں تو موجود ہے البتہ سائنس انکی تصدیق کرنے سے ہنوز قاصر ہے۔ قرآن پاک کی ایک اور مثال دیکھیں۔

کمابدانآ اوّل خلق نعیدہٗ ط وعداً علینا. (سورۃ انبیاء' آیۃ مبارکہ 104)

''جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتدا کی (ویسے ہی) ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے۔''

قرآن تو کہتا ہے کہ زمین پر از سر نو زندگی آباد ہو گی جس سے پہلے ساری حیات ارضی مکمل تباہ ہو گی۔ سائنس کو اس کا علم نہیں ہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ پہلا فرد آدم علیہ السلام کی ذات تھی جس سے باقی نسل انسانی کا ظہور ہوا اور سائنس ابھی تک یہ حقیقت دریافت نہیں کر پائی۔ قرآن مجید روح کی بات کرتا ہے جبکہ سائنس ''روح'' کے وجود سے منکر ہے۔ قرآن

Marfat.com

مقدس جنوں، ارواح اور فرشتوں کے وجود کی بات کرتا ہے، سائنس اس سے نا آشنا ہے اور ابھی تک تو دریافت نہیں کر پائی۔ قرآن حیات بعد الموت کا قائل ہے سائنس کو اس کا علم نہیں۔ قرآن کریم بہشت بریں اور جہنم کی بات کرتا ہے سائنس یہاں بھی لب بستہ ہے۔

مگر ہاں! آپ لوگ حیرت کے مارے یہ بات ضرور کہہ اُٹھیں گے کہ ذاکر بھائی آپ نے تو قرآن اور سائنس کے موضوع پر اچھا بھلا لیکچر دیا ہے کیا آپ بھی جنوں وغیرہ پر یقین کرتے ہیں؟ آپ سمجھتے ہیں کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں؟ آپ روح کے قائل ہیں؟ کیا آپ حیات بعد الموت کو بھی مانتے ہیں؟ ذاکر بھائی آپ غیر عقلی اور غیر منطقی نہیں ہو گئے؟ تو میرا جواب نفی میں ہوگا میں یقیناً غیر عقلی اور غیر منطقی نہیں ہوں۔ میرے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا معقول جواز موجود ہے میں اندھا دھند یا لکیر کے فقیر عقیدے کو نہیں مانتا۔ میں منطقی طور پر جنت وجہنم، روح، حیات بعد الموت اور جنوں، ارواح پر بھرپور یقین رکھتا ہوں۔ میرے منطقی عقیدے کی بنا بہت مضبوط ہے۔ فرض کریں قرآن مجید میں کچھ سائنسی شواہد مل جاتے ہیں جن میں 80 فیصد پورے پورے صحیح اور مطلق درست ثابت ہوتے ہیں۔ اور فی الواقعہ ہے بھی یوں کہ 80 فیصد سائنسی حقائق مکمل طور پر صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔ باقی رہ جانے والے (20 فیصد) حقائق مبہم یا غیر واضح رہ گئے ہیں مگر سائنسی نکتہ نگاہ سے کوئی بھی آیۂ قرآنی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی نہ ہی ذرا سا بھی (000001. فیصد) ایسا امکان ہے اور اگر ایک آیت بھی جھوٹی ثابت ہو جائے تو قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں رہتا۔ یعنی اگر قرآن سے ایک غلطی بھی برآمد ہو اور ثابت ہو جائے کہ قرآن کہیں ذرا سا بھی غلط ہے تو ہم قرآن مقدس کو معجزہ یا کلامِ خداوندی مان ہی نہیں سکتے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں وہ 20 فیصد حقائق جو ہنوز ثابت نہیں ہو سکے انہیں کسی مبہم، انجانے خانے میں ڈال دیا جائے کیونکہ اگر 100 میں سے 80 باتیں سچی اور ثابت شدہ ہیں، مطلق حقیقت پر مبنی ہیں تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب باقی 20 فیصد بھی درست ثابت ہو جائیں گی۔ تو میرا عقیدہ سوچا سمجھا اور منطقی بنیادوں پر استوار ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کسی شخص کے رجحانات، خصوصیات اور مزاج شخصیت کا رحم مادر میں ہی تعین کر دیتا ہے ان دنوں جب Genetics یعنی جینیات کے میدان میں اس قدر انقلابی ترقی ہو چکی ہے کہ والدین محض Genetic Code (جینیاتی اصول) بدلوا کر اپنی مرضی کے متاثر کن بچے کا انتخاب کر سکتے ہیں تو کیا یہ قرآن کی تردید نہیں ہے؟

ذاکر نائیک: بھائی نے سوال کیا ہے کہ جینیات کے میدان میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ ہم آئندہ پیدا ہونے والے بچے کی ساخت اور مزاج تک تبدیل کروا سکتے ہیں جبکہ قرآن کا کہنا ہے کہ اللہ بچے کی ساخت اور شخصیت کا تعین کرتا ہے جس سے میں مکمل اتفاق کرتا ہوں اب مسئلہ یہ ہے کہ جب قرآن اتنی جگہوں پر متعدد بار قدرت الہیہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ تبدیلی قرآن کی تردید لگتی ہے۔ دراصل ایسا نہیں ہے اس سے قرآن مجید کا کہیں رد نہیں ہوتا۔ قرآن جہاں جہاں بچے کی (Potentiality) کا ذکر کرتا ہے وہاں یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت کے بغیر ایسا ہونا، ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے۔

ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطٰنO (سورۃ رحمان' آیۃ مبارکہ 33)

''کہ نکل بھاگو تم آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو بھاگ دیکھو۔ نہیں بھاگ سکتے تم مگر سلطان (اللہ کی مدد) کے بغیر''

خدا کی نصرت و اعانت کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔

آج انسان خلا کی وسعتوں کو، آسمانوں کو ٹٹولنے جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن غلطی پر ہے قرآن تو کہتا ہے کہ تم خلائے بسیط میں' آسمانوں کو جا سکتے ہو مگر اللہ کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں۔ قرآن واضح انداز میں پیش گوئی کر رہا ہے کہ انسان چاند' مریخ غرض خلا میں دور دور تسخیر کائنات کے لیے محو پرواز ضرور ہوگا مگر اگر اللہ یوں نہ چاہے تو ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے' ممکن ہی نہیں ہے۔ خلا میں دراندازی کرنے والا اگر خدا کو چیلنج کرتا ہے تو

Marfat.com

اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے' دیکھ لیجئے نتیجہ صفر نکلتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ خاندانی منصوبہ بندی کی بات کریں تو آپ جانتے ہیں کہ کوئی فیملی پلاننگ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر آپ نس بندی کر کے عورت کو تولید نسل سے محروم کرنا چاہیں اور اللہ ایسا نہ چاہے تو بچہ پیدا ہو کر رہتا ہے حتیٰ کہ عورت اور مرد دونوں مستقلاً میڈیکل سائنس کے ذریعے اپنی اپنی نس بندی کروالیں تو یقین کریں پھر بھی ایسے بے شمار امکانات موجود ہونگے کہ ان کے بچہ پیدا ہو جائے اگر اللہ چاہے گا تو کوئی روک نہیں پائے گا۔ آپ کچھ بھی کرلیں چاہے آپ جینیاتی یا Genetic Code بدلنے کی بات کریں اگر اللہ نہ چاہے تو یہ تبدیلی ممکن ہی نہیں ہے دیکھ لیں کچھ لوگ ہی اس عمل میں کامیاب ہو پائے ہیں' اکثر رہ جاتے ہیں مگر وہ جنہیں کامیابی ہوتی ہے اللہ کی مرضی اور قدرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اور وہ جو محروم رہتے ہیں وہ دراصل اللہ کی اجازت سے محروم رہتے ہیں لہٰذا کامیابی یا ناکامی کا انحصار اللہ کی اجازت پر ہے۔ یعنی الا بسلطن اللہ کی مدد و نصرت کے ساتھ ہی ایسا ممکن ہے۔ ("الا باذن اللہ" کا بھی یہی مفہوم ہے۔)

سوال: السلام علیکم ذاکر بھائی میں ایک ہندو تھا۔ میں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ اگر ایک خاتون نے ایک بچے کو جنم دیا ہے اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد وہ پھر ایسے مرحلہ تخلیق سے دوچار ہوتی ہے اب جبکہ بچے کی پیدائش کی صورت میں اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے تو غیر مسلم ڈاکٹرز تو کہتے ہیں کہ اسقاط حمل ہونا چاہیے جبکہ مسلم ڈاکٹرز اسے "حرام" قرار دیتے ہیں اور کچھ جدید مسلمان ڈاکٹرز کا یہ کہنا ہے کہ اگر بچہ رحم مادر میں 40 دن تک نمو پاچکا ہے تو اسقاط جائز نہیں البتہ 40 دن سے پہلے پہلے جائز ہے۔ کیا اسلامی فقہ کے مطابق یہ صحیح ہے؟

ذاکر نائیک: بھائی کا سوال یہ ہے کہ اگر عورت کی زندگی خطرے میں ہے تو سائنسی نکتہ نظر سے تو اسقاط حمل روا ہے قرآن مجید اس کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق (سورة انعام' آیۃ مبارکہ 151)
''اورمت قتل کرو کسی جان کو جس (کے قتل کو) حرام ٹھہرایا ہے اللہ نے مگر حق کے ساتھ۔''

ولا تقتلوا اولاد کم خشیة املاق ط نحن نرز قهم وایا کم ان قتلهم کان خطا کبیرا O(سورة 17' آیۃ مبارکہ 31)
''اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا جرم ہے بہت بڑا''

قرآن کی رو سے عام حالات میں اسقاط واقعی حرام ہے۔ مثلاً خنزیر کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے سکرات یا نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مردار کا گوشت کھانا بھی حرام ہے اور ساتھ ہی ساتھ قرآن حکیم 4 مختلف مقامات پر کہتا ہے کہ

انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل به لغیر الله ج فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ فلا اثم علیه ط ان الله غفور رحیم O(سورة بقرہ' آیۃ مبارکہ 173)
''اُس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے اس پر (نام) غیر اللہ کا۔ پھر جو مجبور ہو جائے (جبکہ) وہ سرکش بھی نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا بھی نہ ہو تو کچھ گناہ نہیں اُس پر۔ بیشک اللہ بہت معاف فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردیه والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم قف وما ذبح علی النصب (سورة مائدہ' آیۃ مبارکہ 3)
''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار خون' خنزیر کا گوشت اور وہ جانور کہ پکارا گیا ہو غیر اللہ (کا نام) جس پر اور (جو مر گیا) گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ لگنے سے اور وہ جسے درندے نے کھایا ہو مگر (حلال ہے) جس کو تم نے ذبح

Marfat.com

کرلیا اور وہ بھی (حرام ہے) جو آستانے پر ذبح کیا گیا۔"

قل لااجدفی مآاوحی الیّ محرما علیٰ طاعم یطعمه الا ان یکون میتة اودماً مسفوحاً اولحم خنزیر فانه رجس اوفسقا اهل لغیر الله به ج فمن اضطرٌ غیر باغ ولا عادٍ فان ربک غفور رحیم O
(سورۃ انعام، آیۃ 145)

"کہہ دو! نہیں پاتا میں اس وحی میں جو میرے پاس آئی کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ اسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ ہو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت۔ اس لیے کہ یقیناً وہ ناپاک ہے یا یہ کہ حکم عدولی کرتے ہوئے پکارا گیا ہو (نام) غیر اللہ کا اس پر پھر جو کوئی مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر) اس طرح کہ نہ ہو نافرمانی کا ارادہ اور نہ حد سے تجاوز کرے تو یقیناً تیرا رب بڑا معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے۔"

انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر الله به ج فمن اضطر غیر باغ ولا عاد. (سورۃ نحل 16 آیۃ مبارکہ 115)

"حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مردار خون، سور کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے (نام) غیر اللہ کا اس پر، پھر جو مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکش بھی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو"

اگر بحالت مجبوری آپ ایسا کچھ کرنا چاہتے نہیں مگر اللہ کی نافرمانی ہو جاتی ہے تو اس کی اجازت ہے اللہ نہایت رحمٰن اور حد درجہ رحم کرنے والا ہے۔ اگر آپ بھوک سے مر رہے ہیں آپ کی جان خطرے میں ہے اور خنزیر کا گوشت ہی مل سکتا ہے تو خنزیر آپ کے لئے "حلال" اور جائز ہو جاتا ہے مگر دلی خواہش ہرگز شامل نہیں ہونی چاہیے یا آپ بعد میں نارمل حالات میں بھی استعمال کریں تو یہ حرام ہے اگر آپ جنگل میں ہیں اور فاقے سے مرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور کھانے کے لئے صرف خنزیر کا گوشت میسر ہے تو بالکل جائز ہے آپ کھا سکتے ہیں مگر صرف اس وقت تک جب تک آپ جنگل صحرا وغیرہ میں ہیں اور خطرہ مرگ سے دو چار ہیں۔ (یعنی اسلام سلامتی یا بقا کو ازحد اہمیت دیتا ہے۔) مگر جونہی

Marfat.com

آپ شہر وغیرہ میں پہنچتے ہیں تو وہ سب ''حرام'' قرار پاتا ہے اسی طرح اسقاط کا معاملہ ہے محض اس لیے کہ آپ ''بچہ'' چاہتے نہیں اور اسقاط کرواتے ہیں تو یہ ''حرام مطلق'' ہے لیکن اگر بچے کی پیدائش سے ماں کی جان خطرے میں پڑتی ہے تو اسقاط مکمل طور پر جائز ہے کیونکہ اسلامی نکتہ نگاہ سے ماں کی زندگی بچے کی جان سے بیش از بیش قیمتی ہے۔ (یعنی وہ بچہ جو ابھی رحم مادر ہی میں ہے)۔

مجھے علم ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ 40 دن سے پہلے رحم مادر میں بچے کا اسقاط جائز ہے 40 دن کے بعد اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن اس حوالے سے قطعی واضح اور دوٹوک موقف رکھتا ہے کہ اگر ماں کی جان کو نامولود بچے کی پیدائش سے خطرہ ہے تو اسقاط جائز اور ضروری ہے۔ اللہ بحالت مجبوری آپ کو رخصت دیتا ہے چھوٹ دیتا ہے' سہولت دیتا ہے اس لئے کہ آپ مجبور ہیں اور ایسے معاملے میں اپنی خواہش سے اللہ کی نافرمانی تھوڑا ہی کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح اگر ڈاکٹر کہے کہ آپ کو امراض قلب لاحق ہیں اور زچگی کے عمل میں دل کسی خطرے سے دوچار ہو جائے گا' ماں کی جان چلی جائے گی تو آپ کو اسقاط کروانا ہے اور اسقاط ضرور کروانا ہے کیونکہ اسلام کی رُو سے آپ چھوٹے نقصان کو بڑے نقصان پر قربان کر سکتے ہیں مگر بڑے نقصان سے بچنا لازم ہے۔ اس صورت میں ماں کی زندگی۔ ایسی ماں جو باشعور اور بالغ ہے' اس کی زندگی اس بچے سے زیادہ اہم ہے جو تنہا اور اکیلا اپنی ذات میں دوسروں پر انحصار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں پھر واضح کئے دیتا ہوں کہ اگر، اگر ماں کی جان کو یقینی خطرہ لاحق ہے تو اسقاط مکمل طور پر اسلام کی رو سے جائز ہے لیکن اگر خطرہ نہیں ہے تو ''اسقاط'' حرام ہے۔

سوال: جب قرآن حکیم سائنس پر اس قدر زور دیتا ہے اور سائنسی رویے کی قدر افزائی کرتا ہے تو مسلمانان عالم سائنس کے میدان میں اس قدر پسماندہ کیوں ہیں؟

ڈاکٹر نائیک: بہن نے سوال پوچھا کہ جب قرآن سائنس کو اتنی اہمیت دیتا ہے تو مسلمان سائنس

Marfat.com

کے میدان میں اتنے درماندہ کیوں ہیں؟ بہن! میں بالخصوص میڈیا (صحافت) کو الزام دوں گا کیونکہ ''آج کا میڈیا مغربیوں کے ہاتھ میں ہے۔''

اور واقعی میڈیا یورپ اور امریکہ کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے ان کے پاس زیادہ سیٹلائٹ ہیں، ٹیلی ویژن ہیں CNN اور BBC ان کی زبان بولتے ہیں (انٹرنیٹ پر امریکہ کی اجارہ داری ہے) سچ کو وہ جیسے چاہیں موڑ توڑ کر پیش کرتے ہیں۔

یہی بات غور طلب ہے کہ جو کچھ آپ اسکول، کالج میں پڑھتے ہیں تقریباً سارے کا سارا ''علم مغرب'' ہے۔ میں آپ کو بتاؤں آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی تک کے دور کو ''ازمنہ تاریک'' یا Dark Ages سے موسوم کیا جاتا ہے، تاریک کس کے لیے؟ Dark، کس کے لیے؟...... محض اہل یورپ کے لئے، ساری دنیا کے لیے نہیں...... مطالعہ کرنے پر علم ہوگا کہ آٹھویں صدی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک عرب اور غیر عرب مسلم سائنسدان سائنس کے میدان میں بام عروج کو چھو رہے تھے مسلمان اس دور میں انتہائی ترقی یافتہ تھے چونکہ اس عرصے میں اہل یورپ نہایت پسماندہ اور زبوں حال تھے اس لئے انہوں نے اس عرصے کو ''تاریک دور'' کا عنوان دیا مگر یہ تاریکی صرف یورپ میں تھی یہ تاریکی ساری دنیا پر نہیں چھائی ہوئی تھی۔ محدود آلات اور موجود وسائل کے ساتھ مسلمانوں نے اس دور میں سائنس میں جو ترقی کی وہ ناقابل یقین لگتی ہے۔

آج جب کہ نت نئے آلات Instruments بھی دریافت ہو چکے ہیں جن سے نت نئی دریافتیں نسبتاً سہل ہیں اس وقت کا تصور کریں کہ جو محدود سہولتیں ہمیں میسر تھیں ان کے تناسب سے وہ ترقی جو مسلم سائنسدانوں نے، کی ناقابل یقین ہے۔

ایک مثال دیکھئے جو میں اپنی گفتگو میں بھی بیان کر چکا ہوں کہ ابن نفیس نے دوران خون کا عمل دریافت کیا لیکن میڈیکل کی کتب میں، اور سکولوں میں کیا پڑھایا جاتا ہے غور کریں دوران خون کا عمل دریافت کرنے کا سہرا ولیم ہاروے کے سر باندھ دیا گیا۔ اور آج سب ولیم ہاروے کو جانتے ہیں ابن نفیس کا نام تک کوئی نہیں جانتا۔ وہ مسلم سائنسدان ابن نفیس جو دوران

Marfat.com

خون400سال پہلے دریافت کرچکا ہے۔ اہل یورپ نے مسلمانوں کی کتابوں[1] سے بالواسطہ استفادہ کیا بلکہ ان علوم کو نقل کیا' چرایا اور دعویٰ یہ کیا کہ ہم نے یہ سب دریافت کیا ہے۔ اگر آپ مسلمانوں کی سائنس میں انقلابی خدمات دیکھیں تو آپ کو علم ہوگا طوسی نے 1154ء میں دنیا کا پہلا نقشہ ترتیب دیا۔ دنیا کا سب سے پہلا نقشہ۔ ریاضیات کو لیں۔ ہم مسلمان ریاضیات میں نہایت ترقی یافتہ تھے ہم ہی نے اعشاری نظام متعارف کروایا آپ جانتے ہیں عربی کے اعداد ہی کو ایک' دو' تین وغیرہ کہا جاتا ہے دیگر اعداد رومن ہیں۔

انہیں عربی اعداد کیوں کہا جاتا ہے اس لیے کہ عربوں نے ہی سب سے پہلے ان اعداد کو دریافت کیا اعشاری نظام کے اعداد انہی کی تحقیق کا نتیجہ ہیں

عرب طوسی وہ پہلا ریاضیات دان تھا جس نے پہلی مرتبہ فیثا غورثی Theorems یا مسائل کو دریافت کیا لیکن ہم فیثا غورثی Theorems سے تو آگاہ ہیں مگر ہم طوسی کو نہیں جانتے اس نے مربعے کے ساختی اشکال کی ریاضیاتی تشریح کی۔

البیرونی Trignometry میں سند کا درجہ رکھتا تھا۔

الکندی بیک وقت فلسفی' ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا جب گیلیلو اور نیوٹن نے کہا کہ تمام مادی قوانین Physical laws متعینہ یعنی مطلق (Absolute) ہیں تو الکندی کہہ رہا تھا کہ وہ اضافی Relative ہیں۔ آج ہم آئن سٹائن کی Theory of Relativity (نظریہ اضافت) سے آگاہ ہیں۔ الکندی کو کوئی نہیں جانتا حالانکہ وہ پہلا شخص

---

1. ملوکیت کے نظام کے رواج پانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے اپنی متاع دانش اور استعداد فکر و تدبر کے عوض تن آسانی اور راحت کوشی کا نہایت خسارے کا سودا کرلیا۔ اللہ کا فرمان بھلا دیا گیا کہ

ان شر الدّواب عنداللہ الصّم البکم الذین لا یعقلون

''اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں جو سوچتے سمجھتے نہیں ہیں۔''

یورپ نے ہماری روشن شمع علم و دانش لے کر اپنے ''تاریک زمانہء جاہلیت'' کو منور کرلیا اور کرتے چلے گئے۔ بقول اقبال

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں علم و حکمت کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

Marfat.com

ہے جو نظریہء اضافیت کی بات کرتا ہے۔ بعد ازاں اس نے تحقیق و تفتیش سے اضافیت کا نظریہ مرتب کیا۔ کون تین بھائیوں محمدؐ حسن اور شاکر کو جانتا ہے شاید کوئی ان کے ناموں سے بھی آشنا نہیں ہے۔ انہوں نے بحیرۂ احمر کے ایک زاویئے سے قطر زمین کی پیائش کی جبکہ اس زمانے کے لوگ اس مروجہ خیال باطل پر یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے۔

مسلمان علم کیمیا Chemistery میں نہایت ترقی یافتہ تھے۔ جابر ابن حیان کے نام کو مغربیوں نے (Latinise) لاطینی شکل دے دی ہے جب ہم گیبر پڑھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہی آتا ہے کہ وہ کوئی یورپی ہوگا۔ وہ مسلمان ہے جابر ابن حیان مگر ہم ابن حیان کو نہیں جانتے اس نے ''الکحل'' پر تحقیق کی۔ الکحل (Alchohol) فی الحقیقت عربی زبان کے لفظ ''الغل'' سے نکلا ہے جس کا بنیادی مطلب بھوت وغیرہ ہے۔

''الکلی'' عربی سے ماخوذ ہے۔ جابر بن حیان نے Chemistry پر (2،000) دو ہزار مختلف مضامین قلمبند کیئے۔

علم طب (Medicine) کے شعبے کا مشہور ترین شخص محمد ذکریا رازی تھا۔ وہ چیچک کی بیماری (Small pox) اور Measles پر سند کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مرکیوری مرہم کا استعمال کیا۔ اس نے بچوں کی بیماریوں پر کئی کتب تصنیف کیں۔

علی ابن عباس نے علم طب پر 20 جلدوں پر مشتمل مقالہ لکھا۔ علی ابن سینا کو لیں کیا یہ مذاق نہیں ہے کہ اہل مغرب نے تو اسے Avicenna کے نام سے مشہور کر رکھا ہے۔ Avicenna سے خاک معلوم ہوتا ہے کہ نام ابوعلی الحسین ابن عبد اللہ ابن سینا کا لیا جا رہا ہے۔ اسے مشرق کے ارسطو سے ملقب کیا گیا۔ اس نے کتاب ''قانون'' تصنیف کی جو یورپ میں اٹھارویں صدی تک میڈیکل کے حوالے سے سند کا مقام رکھتی تھی اسے Reference Books میں شمار کیا جاتا تھا۔ متعدد بڑے نام موجود ہیں۔ الزاہروی مشہور Dentist، ماہر جراح اور ماہر علم زچہ و بچہ (Obstetrics) تھا۔ جس نے سرجری یعنی جراحی، گائنا کالوجی اور Dentistery کے میدان میں استعمال ہونے والے بے شمار آلات ایجاد کئے۔

ہمیں حقیقت کا علم ہے مگر دراصل میڈیا یورپ اور امریکہ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم علم میں نمایاں مقام کے حامل رہے مگر میں اتفاق کرتا ہوں کہ آج مسلمانان عالم سائنس کے

Marfat.com

میدان میں پسماندہ ہو رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟

جبکہ ادھر یورپ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ جانتے ہیں کیوں؟ مسلمان اس لئے پسماندہ ہو رہے ہیں کہ ہم قرآن سے اپنے مذہب سے دور ہو رہے ہیں اور اہل یورپ اسی لئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں کہ وہ بھی اپنے مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ اہل یورپ کی ترقی کا راز ان کی مذہب بیزاری میں مضمر ہے جبکہ مسلمانان عالم کی پسماندگی کا باعث ان کی اسلام سے دوری ہے۔ میں درخواست کروں گا کہ آپ بہن بھائی اور تمام مخاطب مسلمان قرآن مجید کو سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتے۔ آپ آیات قرآنی پر غور کیوں نہیں کرتے؟

ہم نے قرآن کو صرف چومنے اور بلند جگہوں پر رکھنے کے لیے رکھا ہوا ہے۔

قرآن جزدانوں میں لپٹنے اور چومے جانے کے لیے نازل نہیں ہوا۔ آپکی زندگی میں ایک بامعنی کردار ادا کرنے کے لیئے نازل ہوا ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

اگر ہم قرآن مجید کو اپنی زندگی کے طور اطوار میں راہبر بنا لیں، اصول قرآن کا نفاذ اپنی زندگیوں پر کرنے لگیں تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ہم پہلے کی طرح دنیا میں پھر عروج حاصل کر لیں گے۔

سوال: اسلام ایک سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت دیتا ہے؟ طلاق کے بعد شادی الگ معاملہ ہے لیکن متعدد شادیوں سے "AIDS" وغیرہ کا خطرہ نہیں ہوتا کیا؟ اور جیسا کہ حال ہی میں ہم نے دیکھا جو کچھ افغانستان میں خواتین کے ساتھ سلوک ہوا۔ بتایئے اسلام عورت پر جبر کیوں کرتا ہے؟

ڈاکٹر نائیک: بھائی نے سوال کیا کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں دی گئی؟ آپ چاہیں تو میرے لیکچر "حقوق نسواں اسلام کی نظر میں" سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں جہاں میں نے اس سوال کا مکمل اور مفصل جواب دیا ہے۔ بہرحال میں پھر کہے دیتا ہوں کہ اسلام روئے ارض پر دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو اصرار کرتا ہے اور بالتاکید کہتا

Marfat.com

ہے کہ ایک ہی عورت سے، ایک وقت میں شادی کرو۔ دیکھئے اور کوئی مذہبی صحیفہ پورے روئے ارض پر، چاہے وہ رامائن ہو چاہے بھگوت گیتا چاہے بائبل ہو کوئی صحیفہء مقدس نہیں کہتا کہ صرف ایک عورت سے شادی کرو۔

صرف قرآن مجید میں یہ فرمان بالتاکید موجود ہے کہ صرف ایک شادی کرو قرآن سورۂ نساء کی آیۃ مبارکہ 3 میں کہتا ہے۔

فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنىٰ وثلث وربعٰ ج فان خفتم الا تعدلوا فواحدة.

تو نکاح کرلو تم ان سے جو پسند آئیں عورتیں تم کو دو، تین، تین، چار چار پھر اگر خوف ہو تم کو یہ کہ نہ عدل کرسکو گے تو بس ایک۔''

اگر آپ انصاف اور عدل برقرار رکھ سکتے ہیں تو آپ چار (4) شادیاں تک کر سکتے ہیں مگر 4 سے زیادہ ہرگز نہیں۔ آپ اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ قدیم مذاہب میں عام رواج تھا لوگ جتنی شادیاں چاہتے کر لیتے مگر قرآن ایک حد مقرر کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ صرف 4 شادیاں کی جاسکتی ہیں۔ سوچیں کیوں؟

منطقی طور پر جائزہ لیں تو قرآن بین السطور عدل اور انصاف پر کس قدر اصرار کررہا ہے۔ قرآن ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت تو دیتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ سورۂ نساء کی آیۂ مبارکہ 129 میں تنبیہہ بھی کرتا ہے

ولن تستطيعوا ان تعدلو بين النساء ولو حرصتم

(''اور نہیں قدرت رکھتے تم اس کی کہ عدل کرسکو بیویوں کے درمیان، خواہ کتنا ہی چاہو تم۔'')

ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر کوئی اضافی ثواب تو نہیں ملتا نہ کوئی درجات بہشت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ایسی کوئی حدیث نبی ﷺ بھی نہیں جس میں ارشاد کیا گیا ہو کہ زیادہ شادیوں سے زیادہ ثواب ملتا ہے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ

Marfat.com

''شادی نصف دین کو مکمل کر دیتی ہے۔''

یعنی شادی کرنے پر دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ایک مباحثے کے دوران ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے تو کیا اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر میں دو شادیاں کرلوں تو(نصف+نصف) میرا دین مکمل ہوجائے گا؟درحقیقت شادی آپ کو بے حیائی اور غلیظ عریانی سے پاک کرتی ہے اس لیئے شادی فرض ہے اب آپ چاہے ایک شادی کریں چاہے دو، آپ کا آدھا دین ہی مکمل ہوگا۔رہا یہ سوال کہ اسلام ایک سے زیادہ شادیوں کی بات کیوں کرتا ہے تو اس کی معقول وجہ ہے۔عورتیں اور مرد یکساں تناسب میں پیدا ہوتے ہیں۔تعداد میں برابر ہوتے ہیں مگر اگر آپ عورت کو دیکھیں تو عمر طبیعی کے گزرنے کے دورانیئے میں اس میں جراثیم اور بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت فطری طور پر زیادہ ہوتی ہے آپ کسی بھی ماہر طبیب سے پوچھ کر دیکھ لیں۔

بچوں میں بچیوں کی نسبت شرح اموات زیادہ ہوتی ہے آپ مرد جوں جوں بڑے ہوتے ہیں آپ کو نسبتاً زیادہ خطرات کا سامنا ہوتا ہے گاڑیوں کے حادثات، سگریٹ پینا زیادہ مردوں کے حصے میں آتا ہے۔ایک جنگ میں زیادہ تر مرد ہی موت سے دوچار ہوتے ہیں۔ آپ حالیہ افغانستان میں برپا جنگ کی مثال ہی لے لیں کیا آپ جانتے ہیں؟ وہاں دس لاکھ سے زیادہ لوگ آتش مرگ کی بھٹی میں جھونک دیئے گئے۔ان میں اکثریت مردوں کی تھی۔ آپ کسی بھی زاویئے سے دیکھ پرکھ لیں۔جانچ پڑتال کرلیں! ہمیشہ جنگ میں عورتوں کی نسبت مرد ہی زیادہ کام آئے ہیں۔آپ کچھ ملکوں کی آبادی میں تناسب کے اعداد وشمار ذہن میں لائیں آپ کو انڈیا ایسا ملک ملے گا جہاں مردوں کی آبادی عورتوں سے زیادہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں یعنی بچیوں کو مار ڈالا جاتا ہے۔ ہر روز تین ہزار مائیں اس لیے اسقاطِ حمل کرواتی ہیں کہ ڈاکٹرز انہیں ''متوقع بچی'' کی خبر سنا دیتے ہیں۔انڈیا میں ہر سال دس لاکھ سے زیادہ اسقاط حمل کے Cases محض ''بچی'' سے بچنے کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ ہے بنیادی وجہ بصورت دیگر اگر آپ امریکہ میں آبادی کے اعداد وشمار پر نظر دوڑائیں تو 78 لاکھ عورتیں، مردوں سے تعداد میں زیادہ ہیں صرف نیویارک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں

Marfat.com

دس لاکھ زیادہ ہے۔اور نیو یارک کی کل آبادی کا ایک تہائی حصہ ہم جنس پرستوں پر مشتمل ہے۔ وہی قوم لوط جیسے لوگ جو جنس مخالف کی بجائے جنسی کجروی کے مظاہرے کرتے ہیں۔ پورے امریکہ کا حال دیکھیں! وہاں اڑھائی کروڑ سے زیادہ تو یہ ہم جنس پرست ہیں۔اس سے ظاہر ہوا کہ صرف امریکہ میں ان عورتوں کی تعداد جنہیں شوہر یا مرد میسر نہیں آسکتے ، لگ بھگ تین کروڑ ہے۔ صرف یونائیٹڈ کنگڈم UK میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت 40 لاکھ نفوس زیادہ ہے۔ صرف روس میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں 70 لاکھ زیادہ ہے۔صرف جرمنی میں 50 لاکھ خواتین،مردوں سے تعداد میں زیادہ موجود ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر علم ہے کہ دنیا بھر میں مردوں کی نسبت عورتیں کتنے ملین زیادہ ہیں؟ مجھے آپ سے ایک سوال کرنا ہے کہ فرض کریں میری بہن یا آپ کی بہن کہیں امریکہ میں رہتی ہے۔ اور فرض کریں کہ ہر شخص اسی خیال کا حامی ہے کہ ایک فرد کو ایک ہی شادی کرنی چاہیے اور امریکہ میں ہر فرد، ایک عورت سے شادی کر بھی لے تو اڑھائی سے تین کروڑ کے لگ بھگ خواتین ایسی بدنصیب ضرور نکلیں گی جنہیں شوہر نہ مل سکے اور وہ محروم رہ جائیں۔اور میری بہن بھی انہی کم نصیبوں میں سے ایک ہو، جو محروم رہ گئیں اور اس لیۓ شادی نہ کر پائیں کہ بازار مرداں خالی ہو چکا ہے۔تو میری بہن کے لیے ایک ہی چارہ کار رہ جاتا ہے کہ یا تو وہ کسی ایسے شخص سے بیاہ کرلے جو شادی شدہ ہو یا عوامی ملکیت (Public Property) بن کر بے حیائی کی زندگی گزارے۔

سوال: السلام علیکم! اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے۔اور کہیں کہیں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے پیدا کیا'' یا ''ہم'' نے کیا تو ''اللہ'' واحد کی خاطر یہ ''صیغہ جمع'' کس لیے؟

ذاکر نائیک: بھائی استفسار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن میں جمع کا صیغہ یا ''ہم'' لفظ کیوں استعمال کیا گیا۔کیا خدا ''ایک'' سے زیادہ ہیں؟ بھائی دیکھیں! عربی زبان میں ''ہم'' یا We دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ''ہم'' سے مراد جمع کا صیغہ ہے جو ایک سے زیادہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ دوسرا ''ہم'' تعظیمی جمع یا Royal plural ہے۔ مثلاً آپ نہرو کے

Marfat.com

انداز تخاطب سے آشنا ہیں تو آپ جانتے ہوں گے کہ وہ یوں کہا کرتا تھا۔ ''ہم دیکھنا چاہتے ہیں وغیرہ''۔ تو یہ ''ہم'' جمع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ واحد متکلم یعنی نہرو اپنے لیے، اپنی ذات کے لیے ''ہم'' استعمال کرتا تھا۔ اسے تعظیمی یا شاہانہ انداز تکلم گردانا جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید میں کہیں اللہ خود کو ''میں'' اور کہیں ''ہم'' کے الفاظ سے موسوم کرتا ہے۔ یہ ''ہم'' عربی زبان کے لسانی قواعد کی رو سے ''جمع'' نہیں بلکہ عزت و تقدس اور تعظیم و تکریم کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اصل میں یہ ''ایک'' ہی ہے۔ جب اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ ''ہم نے تمہیں پیدا کیا'' تو اس سے اللہ کی ذات واحد مراد ہوتی ہے۔ مزید برآں قرآن مجید صاف صاف سورۃ اخلاص کی پہلی آیۃ مبارکہ میں واشگاف اعلان کرتا ہے کہ

قل هو الله احد

''کہو وہ اللہ ایک ہے (ذات واحد ہے)''

تو حقیقت میں اللہ عزوجل ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ جمع کا تصور محض باطل ہے۔

سوال: السلام علیکم ذاکر بھائی! میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا اسلام کسی فرد کو اپنا کوئی بدنی حصہ یعنی گردہ وغیرہ دینے کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام Organ Transplantation یا مصنوعی تنصیب اعضا کا قائل ہے؟

ذاکر نائیک: کیا اسلام میں صدقہ اعضاء Organ Donation یا تنصیب اعضا کی اجازت ہے یا نہیں؟ تو قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ کہتی ہو کہ آپ کو منتقلی اعضاء کی اجازت ہے یا نہیں! قرآن اس معاملے میں خاموش ہے۔ پورے عالم اسلام میں متعدد کانفرنسیں اس موضوع پر منعقد ہو چکی ہیں جیسے جدہ، ملائیشیا اور ریاض وغیرہ حتیٰ کہ یہاں انڈیا میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا ہے تمام عالم اسلام کے علماء کا دنیا بھر میں اس نکتے پر اتفاق ہے جسے ''اجماع امت'' کہا جا سکتا ہے۔ ان علما کی رو سے متفقہ طور پر جو رائے تشکیل ہوئی اسکے مطابق اگر کوئی فرد یہ تین شرطیں پوری کرے تو وہ Organ Donation کا مجاز ہے۔

Marfat.com

اوّل: اعضاء کی منتقلی انسانی جان کو بچانے کے لیے ہو یعنی جسے کوئی عضو فراہم کیا جارہا ہو، وہ واقعی اتنا مستحق ہو کہ بصورت دیگر اس کی زندگی کو شدید خطرہ ہو۔

دوم: جو شخص اپنا کوئی عضو Donate یا صدقہ کررہا ہو وہ پیسے یا کسی دیگر مفاد کی خاطر ایسا نہ کرے جیسے لاکھ دو لاکھ کے لالچ میں عضو نہ بیچے۔

سوم: عضو Donate کرنے والے کو بعد ازاں موت کا خطرہ نہ پیدا ہو جائے یعنی وہ کسی کو خطرے سے نکال کر خود بحران ہستی کا شکار نہ ہو۔

آج جدید سائنس کہتی ہے کہ جسم میں ایسے کچھ اعضاء ہوتے ہیں جنہیں Donate کیا جاسکتا ہے جیسے گردہ، حیات انسانی کے لیے ایک گردہ کافی ہے اگر کوئی اپنا ایک گردہ کسی انتہائی ضرورت مند کو دے ڈالے تو بھی دینے والا ایک صحت مند زندگی پوری طرح گزار سکتا ہے۔ ایک گردہ بدن میں اضافی ہوتا ہے۔ فرض کریں میری ماں کے دونوں گردے ناکارہ ہوچکے ہیں اس صورت میں اگر میں ایک گردہ اپنی ماں کو دے دوں تو یقیناً اللہ کے ہاں میں ہی ذمہ دار ٹھہروں گا لیکن فطری طور پر گردہ دینے کی صورت میں میں اپنی زندگی کو خطرہ سے دوچار کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔

دیکھیں! میں ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنا ''قلب'' کسی اور کو دے دوں اگر میں نے ایسا کیا تو میری موت یقینی ہے میں صرف وہی اعضاء Donate کرنے کا مجاز ہوں جن کے دے دینے سے میرا زیان ہستی نہ ہو۔ یعنی میں اپنی زندگی ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ اور مجھے کسی معاشی مفاد کی خاطر بھی ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اور تیسری اہم بات یہ کہ میں ایک جان بچا لینے میں اپنا مقدور بھر کردار ادا کردوں۔ دیگر تمام دنیا میں ان تین شرائط پر علمائے اسلام میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے البتہ انڈیا میں علما قدرے متذبذب رہے۔ بہرکیف اب انڈیا کی ''فقہ اکیڈمی'' بھی انہی نکات پر اس نکتہ نظر سے متفق ہے کہ کسی کی جان بچانے کی خاطر Organ Donation جائز ہے۔

سوال: شام بخیر محترم ذاکر صاحب! میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ انسان کے مرجانے کے بعد اس کی لاش کو دفنانا چاہیے یا جلا دینا چاہیے؟

Marfat.com

ڈاکٹر نائیک: بھائی کا سوال ہے کہ مرنے کے بعد انسانی لاش کو جلایا جائے یا دفن کر دیا جائے۔ آئیں سائنسی طور پر جائزہ لیں کہ کون سی صورت مناسب ہے۔

جس طرح میں نے پہلے کہا کہ انسانی بدن کے اجزائے ترکیبی اپنی ماہیت میں کم یا زیادہ شرح کے ساتھ مٹی میں موجود ہوتے ہیں۔ ہم مٹی سے پیدا کئے گئے اور مٹی میں ہی واپس جائیں تو یہ عمل منطقی اور بامعنی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے لئے لاش کا دفنانا نہایت آسان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم لاش کو جلائیں تو ماحولیاتی آلودگی پیدا ہوتی ہے جو ایک صحت مند ماحول کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ تدفین کی صورت میں ماحول کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ تیسری اہم بات یہ کہ جب ہم کسی لاش کو زیرِ زمین دفناتے ہیں تو وہ زمین اور اس کے ارد گرد کا حصہ مزید زرخیز ہو جاتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ دفنانے میں زیادہ خرچہ نہیں ہوتا۔ ملک خدا تنگ نہیں ہے، بے شمار زمین موجود ہے لیکن لاش کو جلانے کی صورت میں آپ کو منوں کے حساب سے لکڑی درکار ہوتی ہے اس لئے اگر آپ انڈیا کے معاشی اعداد و شمار کو ایک نظر دیکھیں تو پتا چلے گا ہماری گورنمنٹ ہر سال کتنے ہی کروڑ کے خسارے سے دو چار ہوتی ہے اور محض اس لئے کہ لوگ ڈھیروں ڈھیر لکڑیاں جلاتے ہیں۔ ماحول آلودہ ہوتا ہے ،ماحولیاتی مسائل مزید بڑھ جاتے ہیں اور مفت میں پیسے کا زیاں الگ ہوتا ہے۔ اگر آپ مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ کریں اور انہیں جلانے پر خرچ ہونے والی رقم شمار کریں۔ ماحولیاتی نقصان اور آلودگی کو خاطر میں لائیں تو ظاہر ہوگا کہ لاش کو دفنا دینا، لاش کے جلانے سے بدرجہا بہتر عمل ہے۔

سوال: السلام علیکم قرآن میں ہے کہ سورج اور دوسرے سیارے ایک مقررہ مدار میں گردش کر رہے ہیں اور یوم حساب کی نسبت سے ایک اور جگہ قرآن مجید میں درج ہے کہ زمین سورج سے قدرے مرغولے کی سی صورت میں جا ٹکرائے گی۔ سوال یہ ہے کہ محوری اور دوری گردش کے مقرر ہوتے ہوئے ایسا کیونکر ممکن ہے؟

ڈاکٹر نائیک: بھائی سوال پوچھ رہے ہیں کہ سورج اور زمین اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں

اور قرآن میں کچھ جگہوں پر یوں درج ہے کہ سورج اور زمین باہم ٹکرا جائیں گے۔ جیسے میں نے اپنی گفتگو میں کہا کہ قرآن کی ایسی آیات بھی ہیں جو یوم حساب کی بات کرتی ہے اور یوم حساب کی نشانیاں بتلاتی ہیں اور میں نے خود قرآن کی سورہ قیمۃ کی 8اور 9 آیات کا ذکر کیا کہ سورج اور چاند آپس میں ٹکرائیں گے اور کب ٹکرائیں گے؟ یوم حساب ہی وہ دن ہوگا۔ دراصل یہ آیات اس آئندہ دن کی نشانیاں ہمیں بتا رہی ہیں یہ نہیں کہ آج ایسا ہوگا آپ سورۂ قیمہ کا نام ہی بغور دیکھ لیں یعنی جس دن حشر برپا ہوگا۔ قرآن مجید میں اسکے علاوہ متعدد علامات کی پیش آگاہی موجود ہے جیسے چاند تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ ستارے ٹوٹ گریں گے۔ سمندر اپنے کناروں سے بہہ نکلیں گے وغیرہ وغیرہ۔ بنظر غائر دیکھیں تو یہ ''یوم حساب'' کی علامات ہیں۔ یہ ابھی تک واقع نہیں ہوئیں مگر انجام دنیا انہی علامات کا غماز ہوگا اور یقیناً یہ علامات سچی ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے! قرآن کہیں نہیں کہتا کہ عام حالات میں یہ علامات ظہور پذیر ہوں گی۔

سوال: قرآن حکیم میں درج ہے کہ اللہ ''دو مشرقوں'' اور ''دو مغربوں'' کا آقا و مالک ہے۔ آپ قرآن کی یہ آیۃ مبارکہ سائنسی طور پر کیسے ثابت کریں گے؟

ذاکر نائیک: سوال کیا گیا ہے کہ ''اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا مالک ہے۔'' قرآن کی اس آیت کی سائنسی تعبیر کیسے ممکن ہے۔ دراصل جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ قرآن میں سورہ رحمٰن کی 17 ویں آیہ مبارکہ ہے۔

رب المشرقين و رب المغربين

''اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا آقا و مالک ہے۔''

عربی زبان کے قواعد کی رو سے صیغہ جمع کی دو اقسام ہیں۔ ایک ''دہرا جمع'' کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جس میں اشیاء Objects کو دو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جبکہ دوسری قسم میں ''صیغہ جمع'' کا اطلاق ''دو'' سے زیادہ پر ہوتا ہے۔

''رب المشرقین'' میں جمع کا دہرا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اللہ دو مشرقوں کا مالک

Marfat.com

ہے اور دو مغربوں کا بھی۔ سائنس کے نکتہ نگاہ سے اس آیہ مبارکہ کا جائزہ پیش خدمت ہے۔
ہمیں پتا ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے مگر جدید سائنس کا موقف ہے کہ صرف دو دن ایسے ہیں جب سورج ''عین مشرق'' سے نمودار ہوتا ہے۔ اور اگر آپ باقی دنوں میں سورج کے ''نکتہ طلوع'' کا صحیح مشاہدہ کریں تو یہ عین مشرق کے صحیح رُخ سے جگہ بدلتا رہتا ہے۔ سورج ''بالکل مشرق'' سے اعتدال شب و روز یا Equinox کو طلوع ہوتا ہے (وہ وقت جب آفتاب استوا کو قطع کرتا ہے اور دنیا بھر میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں) باقی تمام دنوں میں سورج یا تو مشرق سے ذرا جنوب یا شمال کی سمت اپنا ''نکتہ طلوع'' وضع کرتا ہے اسی طرح یہ گرمیوں کے عروج پر ایک ایسی سمت سے طلوع ہوتا ہے جو مشرق کے عین مرکز سے بعید ترین نقطے پر واقع ہے اور سردیوں میں اسی تناسب سے ''عین مشرق'' کے دوسری جانب کے بعید ترین نکتے سے نمودار ہوتا ہے۔
یعنہ سورج ''عین مغرب'' میں صرف دو دن غروب ہوتا ہے اور یہ دو دن وہی Equinax یا توازن شب و روز کہلاتے ہیں۔ وگرنہ اسی طرح یہ مغرب کے ''عین مرکز'' سے ذرا ادھر یا ادھر غروب ہوتا ہے۔
(یعنی یا تو قدرے شمالی مغرب میں غروب ہوتا ہے یا قدرے جنوبی مغرب میں)
لہٰذا دو دن ایسے آتے ہیں جب یہ انتہائی شمالی مغرب کے مقام پر غروب ہوتا ہے اور انتہائی جنوبی مغرب کے مقام پر ڈوبتا ہے۔
ان حقائق کی روشنی میں واضح ہے کہ جب اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ وہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے تو اللہ مشرق کے دو انتہائی جنوبی اور شمالی مقامات کی بات کرتا ہے اور مغرب کے بھی ایسے ہی دو انتہائی شمالی اور جنوبی مقامات کا حوالہ دیتا ہے۔
لیکن ایک اور آیہ مبارکہ کے مطابق

فلا اقسم برب المشرق والمغرب انا لقدرون ۝

(سورہ معارج ' آیہ مبارکہ 40)

''سو نہیں، قسم کھاتا ہوں میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی یقیناً ہم قادر ہیں۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ہی مشرق اور مغرب کے ان تمام نکات کا مالک ہے

Marfat.com

(جوطلوع وغروب آفتاب کا مقام بنتے ہیں) اس لئے اللہ ہی مشرق کی دو انتہاؤں اور مغرب کی دو انتہاؤں کا مالک ہے اور ان تمام مقامات کا بھی خالق و مالک ہے جو مشرق میں واقع ہیں اور ان مقامات کا بھی آقا و قادر ہے جو مغرب کی دو انتہاؤں کے درمیان واقع ہیں۔

سوال: السلام علیکم' میرا سوال ہے کہ قرآن کیا مراد لیتا ہے جب کہتا ہے کہ "اللہ نے آسمانوں سے آہن یا لوہا بھیجا۔"

ذاکر نائیک: سوال پوچھا گیا ہے کہ اللہ نے آسمانوں سے لوہا اتارا کا مطلب کیا ہے۔ مذکورہ آیہ مبارکہ سورہ حدید میں بیان کی گئی ہے۔

وانزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب ط ان الله قوى عزيز o

"اور اتارا ہم نے لوہا جس میں ہے بڑا زور اور بہت سے فائدے ہیں۔ انسانوں کے لئے اور اس لئے تاکہ معلوم کرے اللہ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی (اللہ کو) بغیر دیکھے' بلا شبہ اللہ ہے بڑی قوت والا اور زبردست۔

عربی زبان کے لفظ "انزل" کا مطلب ہے اتارنا' نیچے بھیجنا۔ ہم "انزل" کو دو مختلف زاویوں سے پرکھ سکتے ہیں۔

(ا) اللہ نے بھیجا (نیچے)

(ب) نازل کیا۔

یعنی اللہ نے لوہے کو بھیجا اور انسان پر اس کے فوائد جیسے' ہتھیار' اوزار یا مشینیں وغیرہ بنانا نازل کیا۔

آج ہم اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ لوہا اہم ترین دھاتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی سے ہمیں فولاد حاصل ہوتا ہے۔ ہم فولاد اور آہن کو جنگی ہتھیار بنانے کے علاوہ پرامن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً تعمیر میں' کچن میں وغیرہ وغیرہ۔ بغور

Marfat.com

جائزہ لینے سے ظاہر ہوگا کہ اللہ نے لوہے کو حرب وضرب اور متنوع فوائد سے لبریز کیا ہے۔

اب لفظ بہ لفظ مفہوم کو پرکھتے ہیں یہ آیت جب پروفیسر آرم سٹرانگ کو دکھائی گئی اور اس پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگے کہ "زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ سائنسدانوں نے حال ہی میں جاننا شروع کیا ہے کہ مختلف عناصر کی تشکیل کیسے ہوئی اور سائنسدانوں کے مطابق آئرن کے ایک جوہر یا ایٹم کی تخلیق کے لئے جو توانائی درکار ہے وہ اپنی مقدار میں ہمارے سارے نظام شمسی کی توانائی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب شمار کیا گیا تو پتا چلا کہ آئرن کا ایک ایٹم بنانے کے لئے نظام شمسی کی چار گنا توانائی درکار ہے۔ یعنی سورج، زمین، دیگر سیاروں اور چاند الغرض پورے نظام شمسی کی توانائی مقابلتاً ہیچ ہے۔

جدید سائنس کے بقول آئرن ایک غیر ارضی دھات ہے۔ اور یہ سائنسی اعتراف قرآن مجید کی مذکورہ آیہ مبارکہ کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتا ہے کہ لوہا یا آہن آسمانوں سے زمین پر بھیجا گیا۔

سوال: چھٹی صدی قبل از مسیح میں ایک فلاسفر گزرا جس کا کہنا تھا کہ زمین اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہے اور تمام سیارے سورج کے گرد محو گردش ہیں۔ قرآن بھی ایسی ہی سائنسی حقیقت کا پرچار کرتا ہے۔ کچھ لوگ محمدؐ پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے یہ نکات متذکرہ فلسفی سے لئے۔

ڈاکٹر نائیک: سوال کے مطابق چھٹی صدی قبل مسیح میں ایک فلسفی تھا جس نے اس نظریے کا پرچار کیا کہ سیارے زمین سمیت سورج کے گرداگرد محو گردش ہیں اور ممکن ہے محمدؐ نے یہ باتیں اس فلسفی سے نقل کرلیں تو سنیئے! میں بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ چھٹی صدی قبل از مسیح فیثا غورثی فلاسفی کے پیروکاروں کا نظریہ یہ تھا کہ زمین اور دیگر سیارے اپنے محور کے گرد اور سورج کے گرد گردش کرتے ہیں لیکن یہ کہنا کہ محمدؐ نے یہ نکات ان فیثا غورثیوں سے مستعار لئے یا نقل کئے بالکل بے تکی بات ہے۔ یہ غیر منطقی بات کرنے والے اس حقیقت سے ناشناسا ہیں کہ فیثا غورثیوں نے اس نظریے کا بھی شدومد سے پرچار کیا تھا کہ سورج کائنات کا مرکز ہے اور ساکن ہے نہ تو سورج اپنے محور کے گرد حرکت کرتا ہے نہ ہی اور کوئی گردش کر رہا ہے تو یہ کہنا کہ

Marfat.com

محمد ﷺ نے دو نکات تو نقل کر لئے کہ زمین اور دیگر سیارے محوری اور دوری گردش کرتے ہیں ایک مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ محمد ﷺ یہ نقل نہیں کر رہے کہ سورج ساکت و ساکن ہے اور کسی بھی طرح کی حرکت سے عاجز ہے۔ دیکھیں کس قدر غیر منطقی بات ہے کہ کچھ نکات نقل کئے اور اسی نظریے کے کچھ نکات کا رد کر دیا۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ زمانہء قدیم کے یونانی فلاسفہ وغیرہ نے متعدد خیالات اور آراء پیش کیں وہ دانا لوگ تھے۔ اگر آپ اس دور قدیم کے فلاسفہ کے نظریات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں تو آپ کو ان کے نظریات میں مستند اور غیر مستند معقولات کی کھچڑی بنی ہوئی ملے گی۔ یعنی کچھ آراء یا خیالات درست جبکہ باقی مکمل طور پر غلط ہیں۔ لوگ ان کے صحیح خیالات کے حوالے تو دیتے ہیں جو مستند ہیں جبکہ ان کے (یعنی ان فلاسفہ کے) غیر مستند اور غلط افکار کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ لوگ عظیم مفکرین تھے لیکن ان فلسفیوں کی تخیلاتی پیش گوئیوں اور قرآن حکیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ دراصل ان فلسفیوں نے محض زور فکر سے کام لیا اور نظریات گھڑ لئے اسی لئے ان کے ہاں جھوٹے افکار کا انبار لگا ہوا ہے جو بے بنیاد اور برخود غلط خیالات کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے بہت سی غلط پیشن گوئیاں بھی کیں جبکہ قرآن مجید سائنسی حوالے سے ایک ہزار سے زائد آیات میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہے مکمل طور پر صحیح ہے ایک آیت بھی غلط ثابت نہیں کی جا سکتی۔ ایک اور فرق ملاحظہ ہو اگر کوئی کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے قرآن میں موجود مسلمہ حقائق ان فلاسفہ قدیم سے نقل کر لئے اور سارے کے سارے صحیح نکات ہی اخذ کر کے قرآن میں شامل کئے اور محض ایک دو یا تین نہیں ہزار کے ہزار حقائق سائنسی طور پر مسلمہ اور صحیح ہیں تو قرآن کے اس کھلے چیلنج کا سامنا کریں۔

قرآن پاک کی سورہ نساء میں 82 ویں آیہء مبارکہ ہے

افلایتدبرون القران ط ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافاً کثیرًا ٥

"کیا یہ لوگ (ذرا بھی) غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر ہوتا یہ غیر اللہ (اللہ کے سوا کسی اور) کی طرف سے تو یہ اس میں ضرور پاتے بہت زیادہ اختلاف"

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں کسی بندہ بشر کا کوئی دخل نہیں۔

Marfat.com

سوال: آپ سائنسی یا منطقی حوالے سے ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کامل علیم ہستی ہے اور ماضی' حال' مستقبل غرض ازل و ابد کا علم رکھتا ہے قرآن مجید سے پہلے دوسرے صحیفے کیوں نازل کئے؟ اگر قرآن مجید ایسا ہی مکمل و اکمل پیام ہدایت ہے جو صفحہ ہستی پر تا ابد نوع انسانی کی راہنمائی کے لئے کافی ہے تو پہلے ہی کیوں نازل نہیں کر دیا گیا تھا؟

ذاکر نائیک: بھائی نے سوال کیا کہ اللہ کی علیم ذات نے قرآن کو پہلے کیوں نہ نازل کر دیا۔ پہلے دوسرے صحائف کیوں اتارے گئے اور بعد ازاں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ مجھ سے کہیں کہ آپ نے مجھے پہلے ہی Medicine یا علم طب کیوں نہیں پڑھایا اور بے سود مجھے سکول میں پانچویں جماعت' آٹھویں جماعت اور دسویں جماعت میں الجھائے رکھا پہلے ایک گریڈ' دوسرے گریڈ اور تیسرے گریڈ سے گزر کر ہی کیوں میڈیکل کالج میں داخلے کی اجازت دی جاتی ہے۔ مجھے سیدھا سادا کالج میں ہی کیوں نہیں ڈال دیا گیا۔ اگر آپ غور کریں تو ایک مقام تک پہنچنے سے پہلے کچھ مراحل کا طے کیا جانا ناگزیر ہے۔

اسی طرح قرآن مجید سے پہلے' جیسے میں نے کہا' جتنے بھی صحائف کا نزول ہوا وہ سب کے سب ایک مخصوص قوم کی خاطر اور ایک محدود وقت کے لئے اتارے گئے تھے۔ قرآن مجید ساری نوع انسانی کے لئے نازل ہوا ہے اور اس کا پیام ابدی پیام ہے جو رہتی دنیا تک زندہ و جاوید اور قائم و دائم رہے گا۔ پہلے اتارے گئے صحائف اپنے اپنے زمانوں اور قوموں کے لئے ضروری تھے مرحلہ وار پیغامات کا سلسلہ اللہ کی مرضی تھا۔ خدائے علیم کی ذات ہی کو علم تھا کہ حتمی' آخری اور مکمل ہدایت کا نزول کب کیا جائے اس لئے نہیں کہ اللہ قرآن مجید پہلے نازل کرنے سے نعوذ باللہ عاجز تھا بلکہ جیسے ایک معلم جانتا ہے کہ طالب علم کو کیسے اور کتنا پڑھانا ہے۔ شاگرد کی علمی استعداد سے بڑھ کر بات نہیں کرنی چاہیے۔

لہٰذا اللہ نے انسانی شعور کے اس درجے پر قرآن نازل کیا جہاں اللہ نے سمجھا کہ اب انسانی شعور اس امانت عظمیٰ کے قابل ہو چکا ہے۔ اللہ کو علم ہے کہ پہلے وقتوں کے

Marfat.com

انسان کے لئے نزول قرآن قبل از وقت تھا۔ یہی سبب ہے کہ قدیم صحائف میں سے ایک بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں مگر قرآن مجید مکمل حالت میں محفوظ ہے۔ قرآن حکیم ہی اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے جو تمام انسانوں کے نام بھیجا گیا۔ قرآن کی حقانیت چودہ سو سال پہلے بھی مسلمہ تھی اور یہ اللہ کا کلام آج بھی ثابت حقیقت ہے اور ابد تک رہتی دنیا تک سچا کلام ربانی ثابت ہوگا۔

سوال: قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایک قالین کی مانند بنایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں زمین چپٹی ہے۔ جو جدید سائنس سے متصادم بات ہے۔

ذاکر نائیک: سوال پر لوگوں میں حیرت کی لہر دکھائی دی ہے۔ سوال یہ پوچھا گیا کہ زمین ایک قالین کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس صورت میں تو زمین چپٹی ثابت نہیں ہوتی دراصل جس آیہ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سورہ نوح کی آیات 19 تا 20 ہیں۔

والله جعل لکم الارض بساطاً o لتسلکوا منها سبلاً فجاجاًo

''یہ اللہ ہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے زمین کو ہموار۔ تاکہ چلو تم اس کے اندر کھلے راستوں میں۔''

میں اپنی گفتگو میں ذکر کر چکا ہوں کہ آج ہمیں علم جغرافیہ نے اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں ہم بستے ہیں ایک (1) سے لے کر دس (10) میل تک گہرا ہے اور زمین کے پورے قطر سے ایک فیصد کم حصے پر مشتمل ہے زمین کا قطر 3,750 میل ہے۔ زمین کا بالائی حصہ ایک مضبوط خول ہے زیریں سطحیں نہایت گرم اور مائع ہیں۔ یہ زیریں سطحیں وجود حیات کے لئے قطعاً ناموزوں ہیں۔ قرآن حکیم نے کسی مقام پر بھی نہیں کہا کہ زمین چپٹی یا سپاٹ ہے۔ قرآن مجید یہاں تمثیلی پیرائے میں اصل مدعا یوں بیان کر رہا ہے کہ ہم نے زمین کو ایک قالین کے مانند پھیلایا ہے۔ لوگوں کو عموماً یہ التباس ہوتا ہے کہ قالین محض کسی ہموار سطح پر ہی بچھایا جاسکتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ درحقیقت قالین کسی بیضوی سطح کے

Marfat.com

گرداگرد بھی بچھایا جاسکتا ہے مثلاً آپ اگر چشم تصور میں دنیا کو ایک گلوب کی شکل میں دیکھیں فرض کریں اس کا قطر بہت بڑا ہے۔ دس (10) فٹ کہہ لیتے ہیں۔ آپ بہرحال خوب اچھی طرح اس کے گرد ایک قالین بچھا سکتے ہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے لیکن قرآن سائنس کی روشنی میں یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے (یعنی زمین کے) گرد چلنے پھرنے کے لئے وسیع راستے بھی بنا دیئے گئے کیونکہ اکثر ہم قالین ان جگہوں پر بچھاتے ہیں جو چلنے پھرنے میں زیادہ راحت بخش نہ ہوں۔ اسی طرح ہمیں آج جدید سائنس بتاتی ہے کہ اگر قشر ارض (زمین کی بالائی تہہ) اگر بیضوی انداز میں زمین کے گرد نہ بچھائی گئی ہوتی تو ہم زندہ نہ رہ پاتے۔ کیونکہ اندرونی یا نچلی سطحیں نہایت گرم اور مائع دار ہیں۔ لہٰذا جب قرآن کہتا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے تو قرآن کا موضوع قشر ارض یا زمین کی بالائی سطح ہوتی ہے جو کسی قالین کی طرح اس لئے بچھائی گئی ہے کہ ہم خالق و مالک کے وسیع راستوں میں چل پھر سکیں۔ قرآن دیگر کئی مقامات پر بھی گویا ہے کہ ہم نے زمین کو وسیع بنایا ہے۔

قرآن الفرقان کی یہ آیہ مبارکہ کیسی روشن ہے۔

الم نجعل الارض مهداًo

''(ذرا غور کرو) کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو بچھونا؟''

اب سورہ عنکبوت کی یہ آیت دیکھیں، بات واضح تر ہو جائے گی۔

يٰعبادي الذين آمنوا ان ارضي واسعة فاياي فاعبدونِ

''اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین بہت وسیع ہے لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو تم۔''

سو کل کے دن یوم حساب کو ہم یہ عذر تراشیں کہ چونکہ میں جہاں قیام پذیر تھا مثلاً بمبئی، کراچی وغیرہ وہاں جگہ ایسی تنگ تھی کہ میں اللہ کی عبادت کیسے کر پاتا میں اچھے کام خاک کرتا اس لئے میں نے برے اعمال کا ارتکاب کیا۔ اللہ آپ کو اس حقیقت اعلیٰ کی طرف متوجہ

Marfat.com

کرتا ہے کہ زمین کو میں نے آپ کے لئے پھیلایا' اسے وسیع تر کر دیا آپ اپنے اعمال بد کا عذر یہ پیش نہیں کر سکتے کہ ہمیں محل وقوع ہی ایسا میسر آیا تھا اس لئے صرف اور صرف اللہ ہی کی اطاعت اور پرستش کی جانی چاہیے۔

قرآن مجید کی کسی آیت سے بھی یہ معانی نہیں برآمد ہوتے کے زمین چپٹی ہے۔ قرآن سورہ لقمان کی 29 ویں آیہ مبارکہ میں کہتا ہے

الم تر ان الله یولج الیل فی النهار ویولج النهار فی الیل وسخر الشمس والقمر کل یجری الیٰ اجل مسمیً وان الله بما تعملون خبیر o

''کیا نہیں دیکھتے تم کہ اللہ داخل کرتا ہے (پروتے ہوئے) رات کو دن میں اور پروتا ہے دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب گردش کر رہے ہیں ایک وقت مقررہ تک اور بیشک اللہ ان اعمال سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔''

اب سورہ زمر کی پانچویں آیت پر غور کریں۔

خلق السمٰوٰت والارض بالحق ج یکور الیل علی النهار ویکور النهار علی الیل وسخر الشمس والقمر ط کل یجری لا جل مسمیً ط الا هو العزیز الغفار o

''وہی لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور مسخر کر رکھا ہے اسی نے سورج اور چاند کو۔ ان میں سے ہر ایک چلا جا رہا ہے ایک مدت مقررہ تک۔ جان رکھو وہ ہے زبردست اور بہت درگزر کرنے والا۔''

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمین (spherical) یا بیضوی ساخت کی ہے ورنہ رات کا آہستہ آہستہ دن میں اور دن کا بتدریج رات میں ڈھلنا کیسے ممکن ہو پاتا' مزید دیکھئے سورہ نزعٰت کی تیسویں آیہ مبارکہ

Marfat.com

والارض بعد ذلک دحٰھاO

''اور بعد میں ہم نے زمین کو بیضوی (Egg Shaped) بنایا۔''

بالکل واضح ہے کہ ''دحٰہا'' سے مراد شتر مرغ کے انڈے کی سی صورت ہے اور زمین کی ہو بہو یہی شکل ہے۔

سوال: السلام علیکم! قرآن میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے یعنی بچہ پیدا ہوگا یا بچی۔ مگر سائنس دعوے سے ثابت کر رہی ہے اور درست طور پر ثابت کر کے بتا رہی ہے کہ بچہ پیدا ہوگا یا بچی؟

جواب: بھائی کا سوال ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں بچے کی جنس کیا ہوگی جبکہ جدید سائنس اتنی ترقی یافتہ ہو چکی ہے اب بچے کی صحیح جنس کے بارے میں ہم الٹرا سونو گرافی وغیرہ کے ذریعے قبل از پیدائش ہی جان سکتے ہیں۔ بھائی قرآن کی جس آیہ مبارکہ کی بابت کہہ رہے ہیں وہ سورہ لقمان کی 34ویں آیہ مبارکہ ہے۔

ان اللہ عندہ علم الساعة ج وینزل الغیث ط ویعلم مافی الارحام ط وما تدری نفس ماذا تکسب غداً ط وما تدری نفس م بای ارض تموت ط ان اللہ علیم خبیر O

''بے شک اللہ ہی ہے جس کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی برساتا ہے بارش اور وہی جانتا ہے کہ کیا ہے رحموں میں اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کیا کرے گا وہ کل اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ ہے ہر بات جاننے والا اور پوری طرح باخبر۔''

یہاں قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے[1] کہ رحم مادر کے بارے میں صرف اللہ

---

1. تفسیر ابن کثیر میں علامہ عمادالدین فرماتے ہیں کہ تمام جانداروں کے حاملہ پیٹ کی اللہ ہی کو خوب خبر ہے۔ یعنی مرد ہے یا عورت؟ اچھا ہے یا بُرا؟ نیک ہے یا بد؟ مختصر عمر والا ہے یا طویل العمر؟

بخاری و مسلم کی حدیث مبارکہ میں کہا گیا ہے کہ:

''ماؤں کے پیٹوں میں ہی یہ طے ہو جاتا ہے کہ بچہ پیدا ہوگا یا بچی اور اللہ خوب علیم ہستی ہے اُسے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ شقی ہوگا یا سعید، روزی کیا ہے، کتنی ہے، عمر کتنی ہے وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

سبحان تعالیٰ کو مکمل علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے۔ غور کریں یہاں قرآن شکم مادر میں بچے کی صنف ہی کی بات نہیں کر رہا۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ اردو تراجم اور کچھ دیگر تراجم ایسے ہیں جن میں لفظ ''جنس'' تک ظاہر کیا گیا ہے ''جنس'' کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ سورہ لقمان میں بھی نہیں آیا۔ مذکورہ آیت سے مراد ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو خبر نہیں کہ شکم مادر میں دراصل کیسے بچے کی نمو ہو رہی ہے۔ یہاں صرف بچے کے مزاج وطبیعت یا رویے (Nature) کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی جو بچہ پیدا ہونے کو ہے وہ اچھا ہوگا یا نہیں۔ وہ معاشرے کے لئے راحت ہوگا یا کراہت وہ کیا کردار نبھائے گا کیا وہ ایک ڈاکٹر ہوگا یا انجینئر بنے گا۔ اس کا مقام مستقل کیا ہوگا بہشت یا جہنم؟ اور میں آپ کو بتاتا ہوں کوئی بھی سائنسدان' اعلیٰ سے اعلیٰ ترین سائنسی آلات کی معاونت سے بھی یہ سب کچھ جاننے سے قاصر ہی رہے گا۔ قرآن مجید کہیں نہیں کہہ رہا کہ اللہ کو جنس یا Sex کا پتا ہے بلکہ ارشاد عالی یہ ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ بچے کی طبیعت' میلانات' رجحانات کیسے ہونگے وہ کیا بنے گا۔ کیا کرے گا کیا بھگتے گا؟ اور دنیا کا کوئی سائنسدان' یقین کریں کسی بھی سائنسی سامان کی اعانت سے یہ پیش گوئی نہیں کر سکتا...... ہرگز نہیں۔

سوال: ہم نے فلکیات پر تو مفصل گفتگو سنی۔ یہ بتایئے کہ علم نجوم کی حیثیت کیا ہے اور ستاروں کے محل وقوع سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نیز کیا سیاروں کی حرکات بھی انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ہندو اساطیر تو جنم پتری اور دست شناسی (Palmistery) پر مضبوط عقیدہ رکھتی ہیں اور ان پر نہایت زور دیتی ہیں۔

ذاکر نائیک: سوال ہے کہ قرآن علم فلکیات پر تو بات کرتا ہے قرآن کا علم نجوم کے بارے میں کیا کہنا ہے جیسے ستاروں کا مشاہدہ' جنم پتری اور قسمت کا حال پوچھنا بتلانا وغیرہ

Marfat.com

وغیرہ۔ قرآن متعدد جگہوں پر واضح انداز میں اس کی نفی کرتا ہے سورہ مائدہ کی آیہ 90 ملاحظہ کریں۔[1]

یآ ایھا الذین امنو انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام

رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ٥

''اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا اور بت[2] اور پانسے (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں۔سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن کا موقف ہے کہ قسمت کا حال پوچھنے بتانے میں ہرگز نہ پڑو۔قرآن یہ نہیں کہتا کہ آیا قسمت کا حال بتانا یا پوچھنا صحیح، غلط ہوسکتا ہے یا نہیں۔قرآن مجید کہتا ہے کہ ''اس معاملے کے پاس بھی نہ پھٹکو۔''

اور احوال ظریفانہ ملاحظہ ہوں کہ ہمارے اردگرد بھی شاید بہت سے لوگ ہیں جو دست شناسی کے ''اعلیٰ مظاہرے'' کرسکتے ہیں۔مستقبل کی پیش قیاسیاں فرماسکتے ہیں۔تارے ستارے دیکھ کر پیش گوئیاں کرسکتے ہیں اور ہمیں علم ہے کہ یہ اکثر و بیشتر ...... اکثر غلط اور جعلی ثابت ہوتے ہیں۔

آپ ایک کمپیوٹر میں ایک ایسا سافٹ ویئر ڈال لیں اس میں اپنی تاریخ پیدائش لکھتے ہی جانے کیا کیا جوابات مل جاتے ہیں۔ایک پروفیسر نے اس ''قسمت بینی'' پر تحقیق کی

---

1. تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ''شطرنج بھی ایک قسم کا جُوا ہے۔'' حتیٰ کہ منکے اور کوڑیاں کھیلنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔شرط لگانا تو قبیح ترین فعل ہے جو اہلِ جاہلیت میں عام تھا۔

محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ پانسوں کے ذریعے جو کھیل کھیلا جاتا وہی جُوا ہے۔اسی طرح جس شے کو کھیلتے وقت مار کر جیت لیا جائے وہ بھی قمار ہے۔ایک اور حدیثِ مبارکہ میں مروی ہے کہ

''جو چوسر کھیل کر نماز کے لیے کھڑا ہُوا وہ گویا پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز کو آ گیا۔''

شطرنج کے باب میں امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ حرمت قطعی کے قائل ہیں البتہ امام شافعیؒ مکروہ بتاتے ہیں۔

2. انصاب اور ازلام، درحقیقت ابن عباس اور دیگر بہت سے صحابہ اکرام قائل ہیں کہ ''انصاب'' ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین قربانیاں کر کے بتوں پر چڑھاتے تھے اور ازلام وہ پانسے ہیں جنہیں تقسیم کر کے فال لی جاتی تھی۔

Marfat.com

کہ یہ معاملہ اصل میں ہے کیا۔ پروفیسر موصوف نے سو طلبہ کی ایک جماعت کو پڑھایا اور سات دن کی تدریس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب میں تمام طلبہ کے مزاج وطبیعت Nature سے شناسا ہو چکا ہوں۔ میں ہر طالب علم کی طبیعت اور میلانات کے بارے میں ایک پیپر یا پرچی پر لکھ کر انہیں دوں گا اور سب طالب علموں سے بیک وقت کہوں گا کہ اپنی اپنی پرچی کھول کر دیکھیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔'' موصوف نے ہر طالب علم کو اسکے میلانات' رجحانات' نیچر پر مشتمل پرچی تھمائی اور کھول کر دیکھنے کو کہا کہ دیکھیں اس پرچی کے مطابق آپ طلبہ نے ماضی اور حال میں کیا کیا کچھ کیا۔ جب طلبہ نے اپنی اپنی پرچیاں کھول کر دیکھیں تو نوے فیصد نے کہا کہ پروفیسر صاحب نے جو کچھ لکھا وہ سو فیصد درست ہے۔ اور دس فیصد باقی طلبہ کا موقف تھا کہ پروفیسر صاحب 90 فیصد صحیح کہہ رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس تجربے میں استاد نے ہر شاگرد کے لئے ہر ہر پرچی پر ایک جیسی باتیں تحریر کی ہوئی تھیں۔

یقین کریں! ایسی کچھ باتیں ضرور ہیں جو اگر میں آپ کو بتاؤں جیسے آنے والے چھ ماہ میں آپ کے ساتھ کچھ اچھا ہونے والا ہے تو جہاں سو باتیں غلط ہونے والی ہوئیں ایک نہ ایک تو صحیح اور اچھی بات ہوگی ہی ناں؟ لہٰذا یہ کوئی پیش گوئی قرار نہیں پاتی یہ تو محض لوگوں کو لبھانے کا ایک گر ہے۔ اکثر لوگ جو پیش گوئیوں کے ماہر ہوتے ہیں پتا ہے کیا کہتے ہیں دیکھیں دیکھیں باقی سب پیش گوئیاں کرنے والے جھوٹے ہیں کذاب ہیں صرف میں ہی ایک صحیح پیش گو ہوں۔ اور دلچسپ امر یہ ہے کہ سبھی نجومی یونہی کہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ ان کا مقصد ہی پیسے بٹورنا ہے۔ قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے ہوتے ہیں قرآن کا مدعا تو آپ کو ان ''قسمت شناسیوں'' سے باز رکھنا ہے۔ قرآن ہرگز نہیں کہتا کہ فلاں، فلاں بات نہیں بتا سکتا بلکہ فرمودات خداوندی کے مطابق ان سے دور ہی رہنا اچھا ہے کہ یہ فائدے سے زیادہ نقصان دیتے ہیں......اس میں زیاں بہت ہے۔

سوال: آج کی دنیا (Acquired Immune Deficiency Syndrome) ایڈز کے خطرے سے دوچار ہے۔ ابھی تک پتا نہیں چل سکا کہ اس جان لیوا مرض سے کیسے چھٹکارا حاصل ہو۔ کیا قرآن مجید اس کے اسباب اور علاج کے متعلق کچھ کہتا ہے؟

Marfat.com

ڈاکٹر نائیک: سوال کیا گیا ہے کہ دنیا AIDS جیسی مہلک بیماری کے سامنے بے بس ہے کیا قرآن کی روشنی میں اس کا کوئی جواب ممکن ہے اگر آپ کے علم میں ہو کہ پہلی بین الاقوامی کانفرنس جو ایڈز کے موضوع پر منعقد ہوئی وہ بمبئی شہر میں منعقد ہوئی اور World Health Organisation سے ڈاکٹر مائیکل نے اس کانفرنس میں بحیثیت صدر شرکت کی تھی یہ 1994ء کی بات ہے۔ کانفرنس میں انہوں نے کہا کہ دنیا میں ابھی تک ایک کروڑ دس لاکھ ایڈز کے مریض موجود ہیں اور 16 لاکھ لوگ صرف انڈیا میں اس جان لیوا مرض میں مبتلا ہیں جبکہ صدی کے اختتام تک یعنی 2000ء تک دنیا میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد 4 کروڑ تک پہنچ جائے گی جن میں سے ایک کروڑ دس لاکھ مریض صرف انڈیا کے ہونگے یعنی انڈیا میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد دنیا بھر کی تعداد کا 25 فیصد ہوگی اور ان کے نکتہ نظر کے مطابق دنیا اگلے مزید 5 سالوں تک AIDS کا علاج دریافت کرنے سے قاصر نظر آ رہی ہے لہٰذا بہترین علاج پرہیز ہی ہے۔ انہوں نے AIDS کی جو وجوہات بتائیں ان میں (Homo Sexuality) یا ہم جنسیت پرستی سرفہرست ہے۔ دوسری بڑی وجہ ایک سے زیادہ لوگوں سے جسمی اختلاط ہے جو غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف مذہب بھی ہے۔ تیسری بڑی وجہ استعمال شدہ Syringe اور بلیڈ وغیرہ ہیں۔ اور چوتھی وجہ کو انہوں نے الکحل کے استعمال سے منسوب کیا۔ اگر آپ ان میں سے بیشتر نکات کا جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں لیں تو حیران کن انکشافات ہونگے۔ قرآن مجید سورۃ اعراف کی 80 اور 81 آیات میں کہتا ہے۔

ولوطاً اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها من احد من
العالمين o انكم لتاتون الرجال شهوةً من دون النساء بل انتم
قوم مسرفون o

اور جب لوط نے اپنی قوم سے کہا کیا تم (ایسے بے حیا ہو گئے ہو اور کرتے ہو)
وہ کام جو تم سے پہلے ایسا کام کسی نے دنیا میں۔ بے شک آتے ہو تم
مردوں کی طرف شہوت کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر درحقیقت تم ایسے لوگ ہو جو حد

Marfat.com

لوط علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اے میری قوم کے لوگو تم نے ہم جنسیت کے کرتوت اختیار کر لیئے ہیں۔" آپ جانتے ہیں کہ Gomorrah[1] اور Sodom بالآخر کیسے تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کے پتھر برسا دیئے۔ ہم جنسیت' اسلام میں مکمل طور پر ممنوع ہے۔ لیکن "دنیائے جدید" کا حال دیکھیئے ان لوگوں نے تو ہم جنسوں کو قانونی تحفظ تک فراہم کر دیا ہے۔ یہ بیان کرتے ہوئے بھی انسان کو حیا آتی ہے میں جب کینیڈا میں تھا تو میں نے وہاں کے ایک روزنامچے میں صفحہ اول پر دو مردوں کی تصویر دیکھی جس میں وہ ایک دوسرے کو چوم رہے تھے۔ وہ آپس میں شادی شدہ تھے اس مہذب دنیا کا یہ عالم ہے کہ وہاں "Gay Rights" کیلئے مظاہرے کئے گئے اور حکومتوں نے انہیں قانونی تحفظ دے دیا۔

دوسرا بڑا سبب "بدکاری" ہے۔ قرآن مجید سورۂ اسرا میں کہتا ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انه كان فاحشته وسآء سبيلاo

"اور نہ قریب پھٹکو زنا کے' بلاشبہ وہ ہے بڑی بے حیائی اور بہت ہی بری راہ۔"

بدکاری وہ برائی ہے جو دوسری کئی برائیوں کے در وا کر دیتی ہے اس کے قریب تک پھٹکنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق ایک عام امریکی ایک فرد کی باقاعدہ رفاقت اختیار کرنے سے پہلے کم از کم آٹھ (8) دیگر افراد سے جنسی روابط اختیار کئے رکھتا ہے۔ میں واضح کر دوں کہ ایک عام امریکی آٹھ (8) ناجائز رشتے رکھتا ہے کچھ لوگ 20 کچھ 30 ناجائز رشتوں میں ملوث رہتے ہیں۔ کچھ امریکی دو (2) پر بھی قانع ہونگے۔ بہرحال اوسطاً ایک امریکی آٹھ (8) جگہ بدکاری کا رابطہ رکھتا ہے۔ اسے بھی "انسانی" حقوق کے نام پر

---

1. یہ دو شہر جنسی کجروی کی علامت بن گئے ہیں جو گندھک کی سلگتی بارش اور آگ کے عذاب سے جھلسائے گئے ان کا ذکر بائبل میں جینیسس 24:19 میں بھی پایا جاتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق ان کا عبرتناک انجام 1900 قبل از مسیح ہوا۔ علامہ عماد الدین اپنی تفسیر قرآن میں کہتے ہیں کہ لوط علیہ السلام ابراہیمؑ خلیل اللہ کے بھتیجے تھے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے باز آنے کو کہا، ہم جنسی فعلِ خبیث چھوڑ کر عورتوں سے حاجت روائی کرنے کی بات کی مگر "سدوم" اور اس کے اردگرد بسنے والی قوم گمراہی پر ڈٹ گئی۔ آخر اللہ کے عذاب نے پکڑا اور لوط علیہ السلام کی یہ ساری قوم آسمانی سنگ باری سے ہلاک و برباد ہوئی۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی جھیل رہ گئی ہے۔ یہ اب بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان واقع ہے۔

Marfat.com

قانون کا حصہ بنالیا گیا ہے۔قرآن مجید بدکاری کی شدید مخالفت کرتا ہے۔

ایڈز کی ایک بڑی وجہ پیشہ ور عورتوں کی جسم فروشی ہے آپ لوگوں کو بتاتا چلوں کہ ہم میڈیکل کے شعبے سے وابستہ لوگ ایسی فاحشہ عورتوں کو CSW یعنی کمرشل سیکس ورکرز کہہ کر پکارتے ہیں۔ ہم ان عورتوں کیلئے ''مناسب'' الفاظ تک ڈھونڈتے ہیں۔ کانفرنس میں شریک ایک ڈاکٹر کے مطابق بمبئی کی جسم فروش عورتوں میں سے ساٹھ (60) فیصد اس جان لیوا مرض ایڈز میں مبتلا ہیں۔ اور صدی کے اخیر تک یہ شرح 90 فیصد بڑھ چکی ہوگی۔ اسلام میں جسم فروشی مکمل حرام ہے۔ رپورٹ کے مطابق قحبہ خانوں کا رخ کرنے والوں کی اوسط عمر 15 سال سے 24 سال کے درمیان تھی۔ آنحضرت محمد ﷺ کی ایک حدیث مقدسہ ہے جو صحیح بخاری میں ''کتاب نکاح'' کے تیسرے باب میں موجود ہے' ملاحظہ ہو

> ''او نوجوانو! تم میں سے جس کسی کو شادی کے وسائل میسر ہوں وہ شادی کرے کہ شادی تمہاری آنکھوں میں حیا لائے گی۔''

جلد شادی کی اسلام میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اس طرح معاشرہ ''بدکاری'' جیسی لعنت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ Promiscuity یعنی ناجائز روابط کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ ہم جنسیت سے نجات میسر آتی ہے۔ اسی لئے تو ہمارے پیغمبر محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''شادی نصف دین ہے۔'' آئیں۔ AIDS کے اسباب میں آخری بیان شدہ سبب کا جائزہ لیں ٹی بی اور نشہ آور اشیاء کا استعمال اس بیماری کو فروغ دیتا ہے۔ قحبہ خانوں کا رخ کرنے والوں میں سے 90 فیصد الکحل کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ میں نے قبل ازیں بھی کہا کہ قرآن کی سورۂ مائدہ کی آیت 90 کی رو سے نشہ غلیظ ترین شیطانی فعل ہے۔

> **یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون o**
>
> ''اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ''

آج کچھ جدید ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ شرابیوں کو ''شرابی'' یا ''نشہ مست'' مت کہیں وہ لاچار مریض ہیں ان سے مریضوں کی طرح پیش آئیں۔ ہم نئی میڈیکل کی فضا میں انہیں ایک عام مریض کی طرح سمجھیں جیسے کوئی ٹی بی کا مریض ہوتا ہے یا کینسر (Cancer)

Marfat.com

کا مریض ہو جاتا ہے۔ سو ''الکحل والوں'' کو الزام نہ دیں وہ بیچارے مریض لوگ ہیں۔ نشہ تو ایک بیماری ہے۔ میں ان روشن خیال ڈاکٹروں سے کہتا ہوں اگر الکحل ایک بیماری ہے تو یہ واحد بیماری ہے جو نہایت اہم ہے یہ واحد بیماری ہے جس کے اسباب وسامان کی تشہیر اخباروں میں کھلے عام کی جاتی ہے۔ میگزین میں کی جاتی ہے' ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کی جاتی ہے۔ انڈیا کی گورنمنٹ نے قانون پاس کیا ہے کہ آپ الکحل جیسی کسی بھی ضرر رساں چیز کی تشہیر (Publicity) نہیں کر سکتے تو جواباً ایڈورٹائز کیا کیا جاتا ہے؟ پائپ یا سوڈا اور ہندوستانیوں کو اچھی طرح معلوم ہے یہ وہسکی ہوتی ہے یا کوئی اور شراب کی قسم۔ جیسے ایک شراب ساز کمپنی نے ایک گلاس کا اشتہار دے دیا۔ اب ذرا سی سدھ بدھ رکھنے والا بھی بتا سکتا ہے کہ یہ گلاس کا اشتہار نہیں ہے یہ شراب کی دعوت ہے یوں گورنمنٹ کی بات بھی رہ جاتی ہے اور ٹی وی پر اشتہار بھی چل جاتے ہیں تو اگر ''الکحل'' ایک بیماری ہے تو یہ واحد و یکتا بیماری ہے جو گورنمنٹ کے خزانے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ یہ واحد بیماری ہے جس کے حصول کیلئے لائسنس جاری ہوتے ہیں۔ یہ واحد بیماری ہے جو جراثیم سے نہیں پھیلتی۔ یہ واحد بیماری ہے جس سے شاہراہوں پر خونی حادثات واقع ہوتے ہیں یہ محض ایک بیماری ہی تو ہے جو پورے کا پورا خاندان اجاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں یہ بیماری نہیں ہے بلکہ

''رجس من عمل الشیطٰن''

''دراصل یہ غلیظ ترین شیطانی کام ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے تاکہ بھلا ہو۔''

سوال: بہت سے لوگ قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتے جہاں لوگ اچھے اور برے اعمال کی بنیاد پر جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ آپ سائنس کی روشنی میں کیا کہنا چاہیں گے؟

ذاکر نائیک: سوال پوچھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ ''یوم حساب'' یا Day of Judgement پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ہی انہیں اس بات پر یقین ہے کہ دنیا کبھی فنا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو کیسے سائنسی اور منطقی طور پر باور کرایا جا سکتا ہے کہ قیامت آئے گی اور ہم ایک نئی زندگی بھی جئیں گے۔ بھائی جیسے میں اپنی گفتگو میں بیان کر چکا ہوں کہ اگر قرآن حکیم کا (80) اسی فیصد حصہ سو فیصد درست ہے اور بقیہ (20) فیصد مبہم ہے تو میری عقل کے مطابق یہ 20 فیصد حصہ بھی صحیح

ہی ثابت ہوگا۔آپ منکرین آخرت کوایک اور طریقے سے بھی نہایت سادہ سا سوال کر کے یہ بات ثابت کرسکتے ہیں۔ آپ ان منکرین سے سوال کریں کہ لوٹنا اچھا فعل ہے۔یا برا ہے! آپ جو یہ سوال پوچھ رہے ہیں آپ ہی کہیے' بتایئے کسی کولوٹ لینا اچھا ہے یا برا؟ ہاں تو آپ کا کہنا یہ ہے کہ برا ہے۔ کسی کی آبرو سے کھیلنا اچھا فعل ہے یا برا؟ تو آپ خود مانتے ہیں کہ برا ہے۔

بھائی! اصل میں میرا ان منکرین آخرت سے ایک سیدھا سا سوال ہے کہ کیا آپ منکرین قیامت مجھے لوٹ مار کے برا فعل ہونے کا صرف ایک منطقی جواز دے سکتے ہیں؟ چلیں آپ نے تو سوال کیا ہے۔ پہلے آپ سے پوچھ لوں کیا آپ مجھے ایک بھی عقلی دلیل دے سکتے ہیں کہ لوٹ مار کیوں بری ہے؟

بہر حال بھائی! اگر آپ مختلف لوگوں سے پوچھیں تو وہ کچھ اس طرح کی عقلی و منطق دلیلیں پیش کریں گے جیسے "کسی کو لوٹنے سے ہم اسکے جذبات مجروح کرتے ہیں" تو فرض کریں میں ایک اسمگلر ہوں مجھے ثابت کر کے بتائیں لوٹ مار کیوں بری شے ہے؟ دیکھیں ایک اسمگلر ہونے کی صورت میں میرا اس بات سے کیا واسطہ کہ میں کسی کے جذبات مجروح کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا۔ اور یہ بھی کہہ دوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں کسی کی جیب سے 1000 روپیہ مارلوں تو میں مزے سے اچھے ہوٹل میں جا کر پر تعیش کھانا کھا سکتا ہوں گھوم پھر سکتا ہوں کسی دلچسپ فلم سے لطف اندوز ہونے کے لیے سینما کا رخ کرسکتا ہوں۔ یہ سب تو اچھا ہے برا کہاں سے ہوگیا؟ کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ اگر آپ کسی کو لوٹیں گے تو ایک نہ ایک دن آپ بھی ضرور لوٹیں جائیں گے۔ میں اونچے درجے کا بدمعاش ہوں مافیا کا سرغنہ ہوں مجھے کیوں کر کوئی لوٹ لے گا! میں مثال کے طور پر کہہ رہا ہوں میں مافیا کا سرغنہ ہوں۔ میرے اردگرد ہمہ وقت 1000 کے لوگ بھگ اعلیٰ ترین اسلحے سے لیس محافظ موجود رہتے ہیں۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں اوروں کو نقصان پہنچاؤں تو پہنچاؤں کوئی اور میرا یا میرے خاندان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں لوٹ مار کونسی بری چیز ہے بھئی؟

بتائیں! مجھے دو نہیں صرف ایک منطقی دلیل دیں، کیوں؟ اگر آپ ایک دلیل بھی صحیح دیں گے تو میں فوراً مان لوں گا۔ یقین کریں لوٹ مار ترک کردوں گا۔ میں ایک منطقی فرد ہوں میں سائنس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اب آپ ثبوت دیں ناں مجھے کہ لوٹنا کیوں برا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگ کہیں یہ انسانیت کے خلاف ہے" تو میں پوچھوں گا یہ انسانیت کیا بلا ہے' یہ کونسی

Marfat.com

کتاب میں ہے کس نے لکھی ہے؟ مجھے انسانیت کی اقدار میں یقین رکھنے سے سروکار ہی کیا؟ میں تو اپنی زندگی مزے سے جی رہا ہوں۔ پتہ ہے جب میں لاکھ دو لاکھ لوٹتا ہوں تو یہ میرے لیے کتنا مفید ہوتا ہے؟ میں نئی گاڑی خرید سکتا ہوں' بیرون ملک جاسکتا ہوں' من مانی عیاشیاں کرسکتا ہوں اور مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ میں "مافیا" ہوں۔ اگر کچھ لوگ کہیں گے پولیس مجھے پکڑ کر آسانی سے جیل میں ڈال دے گی۔ تو میں کہتا ہوں "پولیس میری جیب میں ہے بڑے بڑے وزراء میری جیب میں پڑے ہیں۔"

(اور آپ لوگ شاید اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ دنیا بھر میں ایسے متعدد سمگلر ہیں جو پولیس فورس کو جیب میں لئے پھرتے ہیں۔ وزرائے مقتدران کے چرن چھوتے ہیں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یقین کریں دنیا بھر میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں فرض کریں میں بھی ایسا ہی ہوں) آپ مجھے قائل کرلیں کہ یہ کیوں برا کام ہے تو میں لوٹ مار چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔ دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں سے یہی سوال پوچھا گیا انہوں نے جو کچھ بھی کہا وہ منطقی اور عقلی پیمانوں پر صحیح تشفی بخش جواب نہیں تھا۔ کسی سے بھی ایسا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ایسے "مافیا کا سرغنہ" بن کر سامنے آئیں اور میں آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ لوٹ مار کیوں قبیح فعل ہے؟ کسی کی آبرو لوٹنا کیوں برا ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ اچھا پہلے ذاکر صاحب نے سمگلر بن کر ہمیں جل دیا اب ہم بھی اُنہیں ایسے ہی جل دیں گے۔" لہٰذا میں آپ سے جواباً کہوں گا کہ لوٹ مار کیوں بری ہے میں آپ کو بتاتا ہوں بھلے آپ بہت بڑے مافیا کے ڈان ہی ہیں انتہائی محفوظ ہیں آپ کا خاندان محفوظ ہے میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں مگر جب آپ کسی کو لوٹتے ہیں تو آپ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور آخرت میں آپ کو اس کی سزا ملے گی۔ اس دنیا میں تو خیر سے پولیس آپ کی جیب میں ہوسکتی ہے۔ وزراء آپ کے اشاروں پر ناچتے ہوں گے مگر اگلی دنیا میں یعنی آخرت میں آپ اپنے عمل کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے آپ کا محاسبہ ہوگا تو؟؟؟

میں اب آپ سب سے مخاطب ہوں کہ آپ "انسانی قانون" کی رٹ لگائے ہوئے ہیں اور میں ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو قائل کر رہا ہوں کہ "یوم حساب" قائم ہوگا۔ میزان میں آپ کے اعمال کو پرکھا جائے گا اور آپ ایک ابدی زندگی سے ہمکنار ہوں گے۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ اگر آپ "منشیات کے بڑے سرکردہ" ہیں اور بہت سے لوگوں کو

Marfat.com

قتل کر ڈالتے ہیں تو شاید اس دنیا میں تو آپ کا محاسبہ نہ ہو' آپ کو کوئی نہ پوچھ سکے مگر آپ ضرور بالضرور آخرت میں زیر احتساب آئیں گے اور بچیں گے نہیں۔

مثال کے طور پر ایک سمگلر سینکڑوں لوگوں کو قتل کر ڈالتا ہے اسے ''اصل سزا'' کون اور کیسے دے پائے گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں بہت سے اسمگلر حضرات نے بہت سوں کو قتل کیا' لوٹ مار کی' پر تعیش زندگی گزاری اور نہایت آرام سے چل بسے۔ کچھ ذرا بری موت سے بھی ہمکنار ہوئے۔ کیا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ نہیں ملنا چاہیے؟

آپ ہٹلر کے نام سے تو ضرور واقف ہوں گے اس نے 60 لاکھ یہودیوں کو زندہ جلا دیا۔ میں چھ ہزار یا چھ لاکھ کی بات نہیں کر رہا میں چھ ملین انسانوں کے قتل کی بات کر رہا ہوں۔ میں آپ سے سوال پوچھتا ہوں اگر ہٹلر آپ کے ہاتھ لگ جائے تو آپ کا ''انسانی قانون'' اسے کون سی ''عادلانہ سزا'' دے سکتا ہے؟ بدترین سزا بھی' جو آپ اسے دیں گے' یہی ہوگی کہ اسے جلا کر شعلوں کی نذر کر کے مار ڈالیں گے لیکن اس صورت میں بھی صرف ایک ''سوختہ مقتول'' کی سزا کا بدلہ ممکن ہو سکے گا باقی (ایک کم) چھ ملین کی سزا کون بھگتے گا؟

دراصل میری منطق کے مطابق اللہ اسے جہنم کے شعلوں کی نذر کرے گا اور قرآن مجید سورۂ نساء کی آیت 56 میں کہتا ہے۔

> **ان الذین کفرو بایتنا سوف نصلیھم ناراً ط کلما نضجت جلود ھم بد لنھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزاً حکیماًo**
>
> ''جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اسکی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تا کہ وہ خوب عذاب کا مزا چکھیں۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے''

اب اگر اللہ چاہے تو وہ ہٹلر کو 60 لاکھ مرتبہ جلا سکتا ہے بلکہ 120 لاکھ بار جلا جلا کر آگ کا عذاب دے سکتا ہے۔ لہٰذا اگر ''آخرت'' نہ ہو تو دنیا میں ''اخلاقیات'' نام کی چیز ڈھونڈے سے نہ ملے۔ کسی کی آبرو لوٹنا اس لئے برا فعل ہے کہ آپ کو یوم قیامت نتائج کا سامنا کرنا ہی ہے۔ انصاف ہو کر رہنا ہے۔

Marfat.com

سوال: کیا آپ مصنوعی ذرائع سے قرار حمل اور ٹیسٹ ٹیوب بچوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گے۔

ذاکر نائیک: یقیناً پوچھے گئے سوال کا مقصد یہی ہے کہ آیا اسلام کے نکتہ نگاہ سے یہ سب جائز ہے یا نہیں۔تو مصنوعی ذریعے سے قرار حمل کی دو اقسام ہیں۔

اوّل: یکساں نوعیت کے ذریعے کا تولیدی مواد۔

دوم: مختلف النوع ذرائع سے حاصل شدہ مواد کی صورت۔

''یکساں نوعیت'' کے ذریعے سے مراد ہے شوہر اور بیوی کے تولیدی جرثومے کی باہم منتقلی کے ذریعے حمل قرار پانا۔فرض کریں شوہر یا بیوی کسی ایک کو کوئی حساس مرض لاحق ہے اس صورت میں اگر وہ بیوی یا شوہر اپنے تولیدی جراثیم مصنوعی ذرائع سے باہمی طور پر منتقل کرتے ہیں اور ان کے بچہ پیدا ہونے کے امکانات روشن تر ہوجاتے ہیں تو یہ اسلام کی رو سے کلیتاً جائز ہے۔مگر ''مختلف النوع تولیدی جراثیم'' کی منتقلی جو آپ ایک Sperm Bank سے بھی حاصل کر کے ممکن بنا سکتے ہیں کلیتاً حرام ہے۔آپ کسی Sperm Bank جا کر کچھ تولیدی جرثومے لے کر اپنی بیوی کے ذریعے خاندان نہیں بڑھا سکتے یہ مکمل طور پر حرام ہے اور اس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔اسی طرح ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے معاملے میں استعمال شدہ جراثیم خاوند اور بیوی کے جراثیم ہیں تو اسلام کی رو سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی مکمل اجازت ہے اگر یہ تولیدی جرثومے باہمی شوہر اور بیوی کے علاوہ کسی کے بھی استعمال ہوئے تو اسلام اسکی بالکل اجازت نہیں دیتا یہ تو صریحاً بدکاری ہے۔اسلام دین حق ہے اور رشتوں کے تقدس کی پامالی کو کسی بھی صورت جائز قرار نہیں دیتا۔

لیهلک من هلک عن بینة ویحیٰ من حی عن ؟ بینة

''جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔''

زاہد کلیم حرف حقیقت کو کیا پڑی؟
کس کس کو اعتراض ہے کس کو قبول ہے

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر ذاکر نائیک کا اجمالی تعارف

ڈاکٹر ذاکر نائیک 18 اکتوبر 1965ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔

سینٹ پیٹرز ہائی اسکول، کشن چند چیلا رام کالج (ممبئی) اور ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج سے حصولِ علم کے بعد یونیورسٹی آف ممبئی سے ایم بی بی ایس کی سند حاصل کی۔

IRF کے صدر، آئی آر ایف ایجوکیشنل ٹرسٹ (ممبئی) کے چیئرمین اور اسلامک ڈائی مینشنز (ممبئی) کے صدر ہیں۔

گذشتہ دہائی میں وہ بھارت، امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، ملائیشیا، ہانگ کانگ، جنوبی افریقہ، ماریشس، آسٹریلیا، سنگاپور، تھائی لینڈ، گائبانا اور دیگر ممالک میں سینکڑوں لیکچرز دے چکے ہیں۔

ان کی خدمات کے عوض شیخ احمد دیدات نے 1994ء میں انہیں ''دیدات پلس'' (Deedat Plus) قرار دیا۔

Peace ٹی وی سمیت 100 سے زائد ممالک میں کئی عالمی ٹی وی چینلوں پر ان کے ایمان افروز دروس باقاعدگی سے نشر کیے جاتے ہیں۔

ISBN 969-8951-34-4
9789698951344

Mob: 0300 521 1201

Marfat.com